بہ فیضان

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

بہ یاد

حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ

علم و عرفان کا ترجمان

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جنوری تا دسمبر ۲۰۲۱ء

شمارہ: ۲۴-۲۵

نظامیہ دار الاشاعت

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی۔ مکھڈ شریف۔ اٹک

قانونی مشیر: منصور اعظم (ایڈووکیٹ)، راولپنڈی

کمپوزنگ: سجاد احمد

ہدیہ: سالانہ: ۱۰۰۰ روپے

فی شمارہ: ۵۰۰ روپے

رابطہ: مدیران: ۰۳۴۳-۵۸۹۴۷۳۷ / ۰۳۴۶۸۵۰۶۳۴۳ / ۰۳۳۳۵۴۵۶۵۵۵

e-mail: sajidnizami۴۴@gmail.com

فہرستِ مندرجات

عنوان	مصنف	صفحہ
☆اداریہ	مدیر	۵
گوشۂ عقیدت		
☆حمدِ باری تعالیٰ	جمشید کمبوہ	۷
☆نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	شوکت محمود شوکت	۸
☆منقبت حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ	ظفر پاتوآنہ	۹
خیابانِ مضامین		
☆ مخطوطاتِ فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی	ڈاکٹر عارف نوشاہی	۱۲
☆حجرۂ ذات کے طاق پر ہجر و وصال میں لپٹی ہوئی غزلیں	ڈاکٹر عبد العزیز ساحر	۲۵
☆خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے دیگر خانقاہوں اور خانوادوں سے تعلقات و روابط	ڈاکٹر مظہر حسین بھدرو	۳۰
☆میانوالی کے معروف قدیم و جدید مدارس	ڈاکٹر عطا المصطفیٰ مظہری	۴۶
☆وفائے غیور، مولانا عبد الغفورؒ	علامہ محمد ریاض بھیروی	۵۴
☆مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی	علامہ محمد سعید قادری	۵۷
☆علامہ عطاء محمد بندیالوی: احوال و آثار	حامد رضا چشتی	۶۳
☆علمائے اکبریہ کی تصنیفی خدمات: مختصر جائزہ	شگفتہ جبین	۷۸
ملفوظاتی ادب		
☆بشارت الابرار (اُردو ملخص)	نذر صابری	۹۸

تراجم

☆"تذکرۃ المحبوب" از: مولانا عبد النبی بھوئی گاڑوی | علامہ محمد اسلم | ۱۰۴

سفر نامے

☆قونیہ میں ایک ہندوستانی چشتی بزرگ کا مزار | عارف نوشاہی | ۱۱۲

☆قونیہ شریف (ترکی) میں ایک چشتی بزرگ کا مزار | افتخار احمد حافظ قادری | ۱۱۵

مکاتیب

☆پروفیسر محمد اقبال مجددی کے چند شفقت نامے | ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد | ۱۲۳

دریچۂ انتقاد

☆سماع و موسیقی تصوف میں (ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی) | مبصر: یاسر اقبال | ۱۳۶

☆☆☆☆

اداریہ

حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا:

کہ اب سے پہلے اِندرپت میں ایک خاتون تھیں۔ انھیں بی بی فاطمہ سام کہتے تھے 'بڑی صلاحیت والی اور بزرگ 'بوڑھی ہو گئی تھیں۔ میں نے اُن کو دیکھا تھا۔ بڑی بزرگ خاتون تھیں۔ ہر چیز کے حسبِ حال خوب شعر پڑھتی تھیں۔ ان کے یہ دو مصرے مجھے یاد ہیں۔

ہم عشق طلب کنی و ہم جاں خواہی

ہر دو طلبی وَلے میسر نہ شود

ترجمہ: عشق کے بھی طلب گار ہو اور جان بھی چاہتے ہو۔ دونوں مانگتے ہو مگر دونوں میسر نہ ہوں گے۔

اس موقعے پر فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کو ان بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا سے بڑی محبت تھی۔ جیسے منہ بولے بھائی بہن میں ہوتے ہے۔ کتنی راتیں گزرتیں کہ شیخ نجیب الدین کو فاقہ ہوتا اور اِن کی وجہ سے ان کے گھر والے بھی فاقہ سے ہوتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ جب فاقے کی رات گزر گئی تو دوسرے روز صبح بی بی فاطمہ ایک بڑی روٹی ایک مَن (ایک سیر) کی یا آدھے مَن (آدھا سیر) کی کسی کے ہاتھ جلدی سے شیخ نجیب الدین کے پاس بھجواتی تھیں اور کہتی تھیں کہ رات کو ان کے ہاں فاقہ تھا۔ ایک دفعہ اسی طرح روٹی بھجوائی تھی تو شیخ نجیب الدین نے خوش طبعی کے طور پر کہا تھا کہ "اے اللہ جس طرح اس عورت کو ہمارے حال سے آگاہ کرتا ہے۔ شہر کے بادشاہ کو بھی آگاہ کر دے تا کہ وہ کوئی برکت والی چیز بھیجے۔" پھر تبسم فرمایا اور کہا کہ بادشاہوں کو یہ صفائی قلب کہاں میسر کہ انھیں خبر ہو جائے۔

یہ قول سات صدی قبل کہا گیا۔ آج حالات اس قدر دگرگوں ہیں کہ بیان کا یارا نہیں۔ بادشاہوں کا تو ہمیشہ سے ایک جیسا حال رہا۔ آج جو کچھ ہمارے ہاں ہو رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بادشاہت و ملوکیت کے لچھن ہمیشہ ایک جیسے ہی رہے۔ اچھنبے کی بات تو یہ ہے کہ اب ہمسایوں میں بی بی فاطمہ جیسی بڑی بوڑھیاں بھی نہیں رہیں۔ جو فاقے کی رات گزرنے پر ایک سیر آٹے کی روٹی نہ سہی کوئی خیر خبر ہی لے لیتی۔

اب تو معاشرہ جدت کی لپیٹ میں ہے۔ ہمیں نہ مشرق کی ضرورت ہے نہ مشرقیت کی، دین و مذہب تو ایک رسم ہوا۔ تہذیب، ثقافت، راہ و رسم آشنائی کن بلاؤں کا نام ہے۔ ہمارے معمار اِن لفظوں کی صوتی آہنگ اور ان کی معنویت و صداقت سے کوسوں دور ہیں۔ انھیں اِن لفظوں سے چڑ ہے۔ یہ باتیں اُن کی چھیڑ بن چکی ہیں۔

خیر اِس سب کچھ میں قصور نئی نسل کا نہیں۔ وہ تو فطرت کے اُصولوں پر کار بند اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ اپنے بڑوں سے رویے، زندگی گزارنے کے اُصول اور سبھی کچھ کی نقالی کرتے چلے جار ہے ہیں۔ جو کچھ ہم اُسے بنانا چاہتے ہیں۔ جو کچھ اُسے پڑھانا چاہتے ہیں وہ عین ہماری منشا کے مطابق شب و روز کوشاں ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے جب وہ کچھ بولے تو ہمیں اعتراض ہے۔ کچھ تولے تو اعتراض ہے۔ سبھی کچھ تو اُس نے ہماری مرضی سے کیا پھر کہاں غلطی ہو گئی؟ پوچھنے پر وہ ہمیں ہی آنکھیں دیکھاتا ہے۔ باتیں بناتا ہے۔ کہتا ہے "باباجو آپ نے چاہاوہ توسب کچھ حاضر ہے پھر یہ مایوسی کیسی ؟ تعلیم، تربیت، شعور و آگہی سبھی کچھ تو آپ کا عطا کردہ ہے۔ میری بہتر تعلیم و تربیت کے لیے ادارے کا انتخاب، اساتذہ کا انتخاب، مضامین کا انتخاب، دوستوں کا انتخاب حتیٰ کہ گھر، سیکٹر، شہر، ملک، گاڑی اور ہم سفر سبھی تو آپ کے انتخاب تھے۔ میں نے ہر انتخاب پر سر جھکا دیا۔ من و عن جی جان سے اُسے اپنایا۔ لیکن

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

بات کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ لیکن غور کریں تو کوئی مشکل بھی نہیں۔ ہم نے تکمیلِ آرزو میں عمر گنوادی۔ خواہشِ نفس نے ہمیں اپنا بھی نہ ہونے دیا۔ پھر معمارانِ جہاں کو بھی اسی چکر میں ڈال دیا۔ خالقِ کائنات کی تمنائیں جو ہمارے لیے ہی تھیں۔ نیک تمنائیں۔ جن کو ہم تک پہنچانے کے لیے انبیاورُسل میں سید الانبیا کا انتخاب ہوا۔ "رحمتہ اللعالمین" کا تاج سجا کر وہ دُرّ یتیم جب وادی بطحہ میں اُترا تو جہان سارا بقعہ نُور بنتا چلا گیا۔ بھلا رحمت کی برسات کو چھوڑ کر ظلم و بربریت کے تپتے صحرا میں چلنا موت نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمیں پھر سے رحمت اللعالمین کے سائے کو تلاشنا ہو گا۔ کامیابی کے لیے اطاعتِ رسول ﷺ واجب ہے۔ سوا ِس کو چھوڑ کر کامیابی و فلاح ممکن نہیں۔ ہمیں راستے کے تعین میں بھول ہوئی ہے۔ سو بھٹکنا ہمارا مقدر ٹھہرا۔ اب ذرا دیر کے لیے ستانا ہے۔ سنبھل کر فیصلہ کرنا ہے کہ پہلے درست سمت کا تعین کر لیا جائے۔ پھر ایک نئے جذبے کے ساتھ ایک سچے اور حقیقی راستے کی اَور سفر شروع کیا جائے۔ جس میں دونوں جہانوں کی سُرخ روئی شامل ہے۔

تیری معراج کہ تُو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

"قندیلِ سلیمان" کا چوبیسواں شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں، والا معاملہ در پیش رہتا ہے۔ مقصد قارئین تک تحقیق و تنقید اور علم و ادب کے معیاری مضامین کی رسائی کو ممکن بنانا ہے۔ اللہ کرے یہ سلسلہ دراز رہے۔ آمین

مدیر

***

حمدِ باری تعالیٰ

جمشید کمبوہ

تُو، خدائے خشک و تر ہے' مالک و ربِّ جہاں
قادرِ مطلق' خدایا! تُو نہاں ہے' تُو عیاں

چاند' سورج' کہکشائیں اور زمین و آسماں
تیری قُدرت کے کرشمے' تیری عظمت کے نشاں

حمد کرتی ہے تری' ہر چیز' ربِّ دو سرا!
موج زن' ہر چیز میں تیری' خدایا! داستاں

اے خدا! مُنعِم ہے تُو، معبود ہے' مسجود ہے
لائقِ سجدہ' خدایا! صِرف تیرا آستاں

تُو اَحَد' لامنتہا' عقل و خِرد سے ماورا
تیری وسعت بے کراں' تُو ہے محیطِ بے کراں

جذبۂ تسخیرِ فطرت' بخش کر' انسان کو
دامنِ احساس میں بھر دیں کڑکتی بجلیاں

دِی زباں' ہر چیز کو' تسبیح کرنے کے لیے
حمد ہی کے واسطے' جمشیدؔ کو بخشی زباں

☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

شوکت محمود شوکت ؔ

دِل کو عطائے مدحِ رسولؐ اُمم ہوئی
تُندی ہوائے دہر کی فوراً ہی کم ہوئی

آیا خیالِ گنبدِ خضرا جو ذہن میں
دھڑکا، کبھی یہ دل، تو کبھی آنکھ نَم ہوئی

روزِ ازل سے وردِ زُباں ہے درودِ پاک
دُنیا، کبھی نہ میری گرفتارِ غم ہوئی

جب بھی سنا، جہاں بھی سنا، مصطفیٰؐ کا نام
میری جبینِ شوق، وہیں پر ہی خَم ہوئی

وہ بالقیں ہے دونوں جہانوں میں کامیاب
جس پر ، حضور آپؐ کی چشمِ کرم ہوئی

مانگی کبھی دُعا جو وسیلے سے آپؐ کے
جس شے کی آرزو تھی، وہی شے بہم ہوئی

مدت کے بعد، نعت جو شوکتؔ ہوئی نئی
ژولیدہ فکر میری بڑی تازہ دَم ہوئی

☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ

ظفر پاتو آنہ

وہ ہیں سلطان المشائخ، وہ ہیں محبوبِ خدا
دِل نوازی کا سلیقہ آپ کا سب سے جدا

کہتی ہے دنیا انھیں خواجہ زری زر بخش بھی
ہر طرف پھیلا ہوا ہے آپ ہی کا سلسلہ

صاحبانِ کر و فر سب ہو گئے پیوندِ خاک
کِس کی جرات آپ کو میلی نظر سے دیکھا

کہہ کے "دلی دور ٹھہری" کر دیا قصہ ہی پاک
دانہ پانی اُٹھ گیا تغلق غیاث الدین کا

طوطئی بستان چشتی شاعر اقلیمِ ہند
خسرو شیریں سخن بھی آپ کا تھا خوش نوا

جتنے با جبروت تھے سب التجا کرتے رہے
لرزاں و ترساں کھڑے حاضر رہے ہیں اغنیا

آپ کی مسند کے وارث شاہ نصیر الدیں چراغ
تھی بشارت آپ کو جِن کی وہ فخر چشتیا

یک نگاہِ لطف جاناں از پئے گنجِ شکر
ہے مرا تاجِ شہانہ آپ ہی کی خاکِ پا

☆☆☆☆

خیابانِ مضامین

مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ

ڈاکٹر عارف نوشاہی☆

قسط پنجم

(مخطوطات ۱۲۱ تا ۱۵۰)

(۱۲۱)

غوثیہ

موئلف: ناقص ہونے کی وجہ سے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ایک جگہ لکھا ہے: از حضرت سلطان الموحدین شیخ ظہور الحق والشرع والدّین نقل دارم کہ در نوافل ہر رکعت سہ کرت سورۃ اخلاص خواندن انسب واولی است. (ورق ۷ الف)

دینی اعمال اور اوراد ہیں، ترقیمہ میں رسالے کا نام غوثیہ درج ہوا ہے۔

نستعلیق، ترقیمہ: تمت تمام شد، ہذا الغوثیہ، تحریر فی التاریخ چہاردہم ذی حج ۱۱۱۷ بالخیر، ۸۶ ورق

(۱۲۲)

مجموعہ:

۱۔ معراج نامہ

آغاز: معراج نامہ سید المرسلین وخاتم النبیین محمد مصطفیٰ. سبحان الذی اسری بعبدہ... پاک است آن خدای کہ بندہ خود را در دو پاس شب از زمین بر آسمان برد. وجملہ عجایب ہا و قدرت ہای خود نمود.

☆ ادارۂ معارفِ نوشاہیہ، ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

(arifnaushahi @gmail.com)

نسخ، ورق ۱۴ب--۲۰الف.

۲۔ ایمان واحکام الصلوۃ وزکوۃ...

مولف کانام نہیں ہے۔ فقہ اہل سنّت وجماعت کے مطابق مسائل ہیں۔

آغاز: حمد متوافر وثنای متکاثر مر حضرت بی نیازی راکہ انعام اوعام است واکرام او علی الدوام ودرود معظم ومکرم بہ روح سلطان الانبیا.

ورق ۲۰الف--۲۳الف ناقص

۳۔ ایک عربی رسالہ۔

(۱۲۳)

شرح رسالہ غوثیہ

شارح: ملوک شاہ صدیقی قادری چرتھاولی.

رسالہ حضرت غوث الاعظم کی فارسی شرح ہے۔

نستعلیق،، اللہ یار بیگ متوطن شاہجہان آباد، بارھویں صدی ہجری، ۵۷ورق

(۱۲۴)

شرح مثنوی معنوی

شارح: محمد نوراللہ احراری

مثنوی کے ہر شش دفتر کی مکمل شرح ہے۔

نستعلیق شکستہ مایل معمولی، تیرھویں صدی ہجری، ۱۸۱ورق

(۱۲۵)

نام حق

نستعلیق، میان عبد الکریم بن میان عزیز اللہ پراچہ، بہ وقت دو پہر، روز شنبہ، در ماہ رمضان مبارک، در مسجد کوہاٹیاں، در درس میان صاحب فضیلت پناہ و کمالت دستگاہ میان صاحب مولوی صاحب جیو دام اقبالہ۔ دستخط میاں محمد یار و میاں محمد عظیم، ۸ ورق

(۱۲۶)

مجموعہ

پورا مجموعہ ایک ہی کاتب کی تحریر ہے جو ماوراء النہر کا رہنے والا ہے، پند نامہ عطار کے آخر میں اس نے اپنا نام ملا آنش [یا آتش؟] محمد بن تاش محمد صوفی لکھا ہے۔ خط تیرھویں صدی کا ہے۔ مشمولات حسب ذیل ہیں:

۱۔ نام حق، ورق ۲ب-۹الف

۲۔ مہمات المسلمین، ورق ۹ب-۲۲ب.

آغاز: قال النبی علیہ السلام طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ.

۳۔ معرفت ایمان و اسلام...، ورق ۲۳الف-۲۸الف

آغاز: بدان اسعد ک اللہ فی الدارین کہ این کتاب در معرفت ایمان و اسلام و نماز و روزہ و حج و زکوۃ و فریضہ و سنت و احکام و ارکان است.

۴۔ پند نامہ، ورق ۲۹الف-۵۳الف

فرید الدین عطّار.

(۱۲۷)

مجموعہ:

۱۔ کریما سعدی، ۲ب-۳ب

۲۔نام حق،۱۰الف-۱۱ب،ورق۱۰الف پر ایک مہر جس کا سجع یہ ہے:"فخر اہل دلان گل محمد"

۳۔ محمود نامہ محمود لاہوری،۱۶الف-۲۵الف

۴۔پند نامہ عطار،۲۵ب-۴۹الف

۵۔ مسئلہ بدان / احکام و مسائل فقہی،۴۹الف-۵۳الف

فقہ حنفی کے مسائل ہیں۔

آغاز:الحمد للہ رب العالمین... مسئلہ سوال بدان کہ ایمان اقرار کردن است بہ زبان یعنی گفتن کلمہ طیب.

(۱۲۸)

دیوان صائب

موکف:محمد علی صائب تبریزی.

قصاید،غزلیات اور مفردات کا انتخاب ہے۔

آغاز:(قصیدہ)

تا نگر دید است خورشید قیامت آشکار

مشت آبی زن بہ روی خود ز چشم اشکبار

نستعلیق، تیرھویں صدی ہجری،،پہلے ورق پر دستخط:محمد علی وکیل سید،۱۴۵ورق

(۱۲۹)

دیوان حافظ

مولف:حافظ شیرازی.

نستعلیق، یوم یکشنبہ، آخر شہر سفر[کذا:صفر]۱۳۰۵، ۱۷۶ اورق، مکمل نسخہ

(۱۳۰)

عروض سیفی / میزان الاشعار

موکف: سیفی بخارایی

تاریخ تالیف ۸۹۶ھ

آغاز: الحمد للہ الذی جعل علم العروض میزان الاشعار... بعد از حمد و ثناو درود و تحیّت بر مصطفی بدان کہ باعث بر تالیف این رسالہ آن بود.

نستعلیق، ملا محمد قوم سیال، تیرھویں صدی ہجری، ۳۰ ورق

(۱۳۱)

شرح اسکندر نامہ / شرح شرفنامہ

موکف: نظامی گنجوی

شارح: محمد بن غلام محمد (دیباچہ)

آغاز (دیباچہ): سپاس بیقیاس مر خدایی را کہ سقف آسمان برین بیستون افراشتہ اوست... (شرح): خدایا جہان پادشاہی تراست... پس جہان پادشاہی بہ قلب اضافہ بہ معنی سلطنت عالم است لیکن پادشاہی اینجا باہمزہ باید خواند.

نستعلیق، تیرھویں صدی ہجری، ناقص الآخر، تا بیت: سکندر کہ آن چشمہ و سایہ دید / بر آسودہ شد چون بہ منزل رسید...، ۲۱۷ ورق

(۱۳۲)

شرح اسکندر نامہ

موکف: نظامی گنجوی

شارح: اکرم قادری بن عبد الرزاق ملتانی

آغاز: سپاس بیقیاس داوری را کہ دار و گیر داوران بہ فرمان اوست.

نستعلیق، بارہویں صدی ہجری، بعض مقامات پر متن کی خالی جگہ چھوڑ دی ہے، ۲۴۸ ورق.

(۱۳۳)

شرح اسکندر نامہ / شرح شرفنامہ

مولف: نظامی گنجوی.

شارح: محمد نصیر بن سلطان سفیانی (دیباچہ)

آغاز: مدو سپاس متوافرہ و ثنای و تحیّت متکاثرہ مر خالقی را کہ ظلمت کدہ حروف اشباح انسان را بہ ضیا مصباح معانی ارواح منور ساختہ... (شرح) خدایا جہان پادشاہی تراست... تقطیع بدین نمط است خدایا فعولن، جہانپا فعولن دشاہی فعولن تراست فعولن.

نستعلیق، تیرھویں صدی ہجری، دو خط مختلف، در خاتمہ ناتمام، ۱۴۹ ورق

(۱۳۴)

شرح اسکندر نامہ / شرح شرفنامہ

مولف: نظامی گنجوی

شارح: محمد نصیر بن سلطان سفیانی

نستعلیق، عبد القدوس ساکن موضع تیر، در موضع کھڑپہ، چودھویں صدی ہجری، ۹۷ ورق

(۱۳۶-۱۳۵)

شرح اسکندر نامہ / شرح شرفنامہ

موکف: نظامی گنجوی

شارح: محمد بن غلام محمد

نستعلیق، دو مختلف کاتبوں کی تحریر، آخری تین ورق بقلم محمد حسین قریشی صدیقی تاریخ ۱۸اسو ۱۲۸۵ ہجری، دو جلدیں، ۱۹۱+۲۰۹ ورق

(۱۳۷)

اسکندر نامہ / شرح شرفنامہ

موکف: نظامی گنجوی

آغاز: خدایا جہان پادشاہی تراست.

۱۲۴۹ھ، بلانام کاتب، ۲۷۰ ورق، محشی، بایادداشت ہاے غلام رسول پراچہ کیلہ بندیالوی؟

(۱۳۸)

شرح مطلع الانوار

موکف: امیر خسرو دہلوی

شارح: نامعلوم

شرح کادوسرا نصف ہے۔

آغاز: لہذا از جای خود سوار شدہ بہ سوادی عنان تافتہ بود. بیت: رفت دلش در دُم یکران شاہ... الخ. یکران بالفتح وکاف پارسی اسپی کہ ہیچون اشقی باشد امابال ودُم وی سپید باشد. واگر چنین نباشد بور باشد کذا فی الکشف.

انجام: امید است کہ بوی علیک بہ من رسد ای بر تست سلامت از باز پرس وباعتاب. واللہ سبحانہ.

نستعلیق، نام کاتب و تاریخ کے بغیر، بارہویں صدی ہجری، ۱۷۶ ورق

(۱۳۹)

بحر فراست اللافظ فی شرح دیوان خواجہ حافظ

شارح: عبید اللہ معروف بہ عبد اللہ خویشگی چشتی (دیباچہ)

تاریخ شرح: با مدح شاہ جہان پادشاہ در دیباچہ.

دیوان حافظ شیرازی کی شرح ہے۔

آغاز (دیباچہ): سپاس عظمت اساس واحدی رارسد کہ محمود است بہ جلال ذات و معبودی راسزد کہ موصوف است بہ کمال صفات...
(شرح): الا یا ایہا الساقی... الا دانا و آگاہ باش، یا ایہا الساقی ای ہر کدامی نوشانندہ، ادر کاسآ بگردان پیالہ را.

نستعلیق، بارہویں صدی ہجری، ناقص الآخر، تابیت: مرا بہ کار جہان ہرگز التفات نبود / رخ تو در نظرم ہمچنین خوشش آراست، ۷۹ ورق

(۱۴۰)

بحر فراست اللافظ فی شرح دیوان خواجہ حافظ

مطابق شمارہ ۱۳۹

نستعلیق، تیرہویں صدی ہجری، انجام افتادہ، ۳۴۲ ورق

(۱۴۱)

شرح ابیات عرفی شیرازی

شارح: ابو البرکات منیر لاہوری در ۱۰۵۰ھ

جمع و دیباچہ و موخرہ از: محمد صالح کنبو، در رمضان ۱۰۷۵ھ

عرفی شیرازی کے کچھ اشعار کی شرح ہے۔

نستعلیق، ترقیمہ: نویسندہ این نسخہ دلپذیر بفضل الٰہی محمد نصر. آغاز ناقص: حجلۃ ضمیر کہ ہر ہفت گروہ مشاہدۃ فیض بودند... از ہجوم اہل سخن چون حاشیہ کتاب سخن بہ حسب اتفاق دگر اشعار انوری وخاقانی ودیگر ابیات قصاید فلکی فطرتان، ۸۷ ورق

(۱۴۲)

شرح اسکندر نامہ

موئلف: نظامی گنجوی.

شارح: محمد بن غلام محمد گلہوی. مطابق شمارہ ۶۸ و ۱۳۱

نستعلیق خوش، تیرہویں صدی ہجری، ناقص الآخر، ۹۰ ورق، ہمراہ با کریمائے سعدی.

(۱۴۳)

شرح سبحۃ الابرار

موئلف: جامی

شارح: محمد بن غلام محمد گلہوی

آغاز: نحمد اللہ سبحانہ حمد ایلیق بنوالہ... چون کتاب عالی نصاب جواہر آبدار سبحۃ الابرار از جملہ تصانیف مولانا عبد الرحمن جامی قدس اللہ سرہ.

نستعلیق، بلانام کاتب وتاریخ، تیرہویں صدی ہجری، ترقیمہ: تمت نسخہ شرح سبحۃ الابرار از تصنیف مولوی محمد گھلّو والا، ۹۶ ورق

(۱۴۴)

شرح تحفۃ الابرار

موئلف: جامی

شارح: محمد رضا بن محمد اکرم ملتانی قادری

آغاز: الحمد للہ علی الالہ و نوالہ... بدان کہ چون علت غایی ایجاد عالم وجود انسان است و غرض... فرمود حامد لمن جعل جنان، جان از فاعل ابتدا کہ محذوف است.

نستعلیق، ترقیمہ: تم الکتاب بوقت الظہر یوم الاثنین سنہ ۱۲۴۴، این شرح تحفہ ملک میان رمضان پراچہ بائی فرزند حافظ خیر اللہ ۹۸ ورق

(۱۴۵)

مجموعہ:

۱۔ شرح مخزن الاسلام / شرح کلمات وافیات و نکات زاکیات

مؤلف: اخوند درویزہ ننگرہاری و ترتیب و تکمیل از عبد الکریم بن آخوند درویزہ

شارح: عبد اللہ الملقب بالخلیفۃ الخویشگی والچشتی، معروف بہ عبد اللہ خویشگی قصوری، بتاریخ ۱۰۸۲ھ در دولت آباد دکن

آغاز (دیباچہ): بعد از حمد بی منتھی و ثنا لا یحصی خداوند جل و علا و پس از درود نا محدود حضرت رسول سید الوری می گوید ضعیف و کمینہ.

(شرح): الف یو کورہ لیم... الف را با میم یکی بین کہ معنی این ہر دو حرف دراصل برابر است.

ترقیمہ: مام شد شرح قاعدہ اخیرہ و بعضی ابیات مشکلات دیگر مخزن العلوم [کذا] اخوند درویزہ علیہ الرحمہ، از فقیر قل احمد ولد یار محمد ولد عبد الرسول اسق ثراہم و اجوب الجنۃ مثواہم، الٰہی بہ برکت و حرمت راز و نیاز ہر چہار خانوادہ خصوصا سلسلہ علیہ قادریہ فرزندان عاجز را ضیاء اللہ و شیخ احمد [با قلم دیگر اضافہ شدہ: و گل حسین] را عمر طویل و علم نافع و [صحبت] صالح روزی گردان. آمین یارب العالمین.

۲۔ شرح قصیدہ سریانی

شارح: ضیا نخشبی

آغاز: حمد مر پادشاہ بر حق را / ذوالجلال و جلیل مطلق را... (پس از منظومہ) بندہ ضیا نخشبی چنین گوید کیفیت سورت سریانی و شرح کردن آن، بعد تمہید قواعد محامد احدی.

شرح: انا الموجود فاطلبنی تجدنی... منم موجود ای طالب کجایی / چرا در حضرت ما می نیایی؟... حاصل معنی آن است کہ منم موجود ای بندہ پس طلب کن مرا.

وہی خط ہے لیکن آخری چار ورق غلام علی ولد غلام احمد نے ۱۲۷۳ یا ۱۲۷۲ میں کتابت کیے ہیں، ورق ۵۵ الف-۱۷ب. یادداشت این شرح دعای سریانی حضرت عمویم صاحب مولوی گل حسین بخشیده بروز پنجشنبه در ۱۲۷۳

(۱۴۶)

شرح تحفۃ الاحرار (خُرد)

مؤلف: جامی

شارح: شیخ احمد ابن شیخ فتح محمد ابن شیخ یوسف القریشی حنفی القادری الشطاری، متوطن قریہ عالم خان، ڈیرہ غازی خان۔ شارح نے اس سے پہلے ایک مفصل شرح بھی لکھی تھی۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اسی کا انتخاب کر کے مختصر شرح تیار کی ہے۔

آغاز (دیباچہ): تحفۃ حمد بی حد مر احدی راسزد کہ احدیتش عین واحدیت اوست وثنای منتهای مر واحدی رارسد.

(شرح): بسم اللہ الرحمن الرحیم نزد علمای ظاہر حذف ہمزہ بسم جہت کثرت استعمال است.

نستعلیق، کاتب امام الدین وفضل، ماہ شعبان در ۱۱۹۹ [دراصل ۱۲۹۹] متوطن مستالہ، ۳۰۹ ورق

(۱۴۷-۱۴۸)

ارمغانی کبیر / شرح تحفۃ الاحرار (کلاں)

مؤلف: جامی.

شارح: شیخ احمد ابن شیخ فتح محمد بن شیخ یوسف القرشی الهاشمی حنفی القادری

تاریخ شرح: ۱۲۱۷ھ، مادہ تاریخ «باغ روح». (ورق ۲۶۷)

بہت مفصل، مشکل اور مغلق شرح ہے۔

آغاز: احمد لمن تجلی بفیضہ الاقدس فی مجالی الموجودات العلمیۃ... ناظمی کہ نظم جواہر کثرت در سلک وحدت بہ طرزی منتظم گردانید کہ ناظمان درر معانی از دریافت حقیقت آن.

شرح:بسم اللہ...چون علت غایت ایجاد عالم وجود انسان است کہ اشرف المخلوقات است.

نستعلیق، دو جلدوں میں، پہلی جلد بتاریخ ۶ محرم الحرام ۱۲۹۷ھ، محمد رمضان بن علی محمد، برائے مولوی غلام محی الدین جی، ۴۰۲ ورق.
دوسری جلد بتاریخ ۱۸ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ برائے خواجہ زین الحق والدین، ۲۶۷ ورق.

(۱۴۹)

شرح باغبان (شرح اسکندرنامہ / شرف نامہ)

مؤلف: نظامی

شارح: محب اللہ

تاریخ شرح: ۱۱ ذیقعدہ ۱۲۶۸ھ

شرف نامہ کے دیباچے کے اشعار کی شرح ہے۔

آغاز:

بیا باغبان خرمی ساز کن

گل آمد درِ باغ را باز کن

باید دانست کہ این داستان از جملہ سخنان سربستہ خواجہ است وہر کسی در حل آن جہد را بہ کاربردہ کہ ہارون متقی کلمات اورا بر مدارج سلوک وجذبہ تجلیات ربانی وفیض الطاف رحمانی حمل نمودہ است.

نستعلیق، بخط شارح، ۱۳ ورق. اس کے بعد داستان ونسب اسکندر ورق ۱۴–۳۲

(۱۵۰)

شرح مخزن الاسرار

مؤلف: نظامی

شارح: نامعلوم

شرح اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

مرغ زداود خوش آواز تر / گل ز نظامی شکر انداز تر

یعنی گل از نظامی شیرین تر بودہ است۔

نستعلیق، غلام حسین کھرپوی (کھڑپوی)؟، تیرہویں صدی ہجری، ۳۷ ورق

☆☆☆☆☆

حجرۂ ذات کے طاق پر ہجر و وصال میں لپٹی ہوئی غزلیں

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

حاجی نجم الدین سلیمانی (م ۱۲۸۷ھ) کی شاعری: عشق اور اس کی کیفیات کے آنگن سے پھوٹی ہے۔ عشق جو نفیِ ذات کا اثبات بھی ہے اور عرفانِ ذات کا استعارہ بھی۔ عشق ان کی شاعری کی فکری تہذیب کا آئینہ دار بھی ہے اور معنوی جمالیات کا عکاس بھی۔ یہ وہ روحانی اور وجدانی تجربہ ہے، جو باطن کو یقین اور ایقان کی خوش آہنگ تعبیر عطا کرتا ہے۔ اس تجربے کا شعری اظہار دیوانِ نجم کے مصرعوں اور شعروں میں اثباتِ یقین بن کر طلوع ہوا ہے اور یوں اس کی یہ جمالیاتی اور معنوی خوش بیانی اس کے ہونے کا سندیسہ بن کر منکشف ہوئی ہے۔ یہ وہی عشق ہے، جو کبھی راجستھان اور چولستان کے صحرا میں ہجر بن کر کِھل اُٹھا ہے اور کبھی سنگھڑ اور تونسے کی عرش مقام سرزمین پر وصال کے تجربے میں ڈھل گیا ہے۔ اس "کِھل اُٹھنے" اور "ڈھل جانے" میں ہجر اور وصال کی داستانیں: کتنے ہی موسموں کے خوش آثار منظروں میں طلوع ہوئی ہیں اور یہ ایک ایسی لطیف اور پُر اسرار قوت ہے، جو فرد کو روحانی اور وجدانی سطح پر زندہ رکھنے کا خوش گوار فریضہ انجام دیتی ہے۔ کہیں یہ قوت خارج اور باطن کے مکاشفے کو باہم آمیخت کر کے ایک نیا جہانِ معنی تخلیق کرتی ہے اور کہیں اثباتِ وجود کی رعنائی سے افقِ خیال کو مستنیر کر دیتی ہے۔ کہیں یہ قوت طرزِ احساس کو پژمردہ اور اداس فضا میں تخلیقِ شعر کا لبادہ عطا کرتی ہیں تو کہیں وادیِ وصال میں، رعنائیِ احساس کی خوشبو کی جمالیاتی معنویت کے رنگ کشید کرتی ہے۔

بادی النظر میں وصال اور ہجر کی کیفیات جداگانہ طرزِ احساس کی حامل ہوتی ہیں، مگر ان متضاد تجربات میں بھی عشق کی اکائی ایک روح بن کر ان میں جلوہ کُناں رہتی ہے۔ اس اکائی کے تناظر میں جُڑی یہ کیفیات دیوانِ نجم کے شعروں میں اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ گندھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ تونسے میں شاہ سلیمان تونسوی (م ۱۲۶۷ھ) کے جمالِ جہاں آرا کی لذتوں سے پیالہ گیر ہوتا ہے تو راجستھان کے صحرا میں ہجر کے تھپیڑے اس کے فکر و خیال کو اس کے مرشد اور اس کے مرشد خانے کے طواف کا نیا زاویہ عطا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے، جو ہجر اور وصال کی عرفانی کیفیات کی معنویت کو کتنے ہی رنگوں میں تخلیق کرتا ہے۔ اس طرح ان مختلف اور متنوع رنگوں کی جمالیات کا منظر نامہ دیوانِ نجم کی غزلوں میں کِھل اُٹھا ہے۔ غزلوں کے آنگن میں رقص کرتے اور دھمال کھیلتے شعر کبھی ہجر اور کبھی وصال کے تجربات کا لبادہ اوڑھ کر طلوع ہوتے ہیں تو ہمارا یہ صوفی شاعر اپنی داخلی واردات اور باطنی کیفیات کا ترجمان بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کی غزل میں عشق کا تخلیقی پھیلاؤ ان کے عرفانی تجربے کی جس صداقتِ احساس کا ترجمان ہے، وہ سلسلۂ چشتیہ کی فکری اور معنوی روایت سے مستنیر ہے۔ اس فلسفۂ حیات کی عرفانی تعبیر ہمہ رنگ اور ہمہ گیر پہلوؤں کو محیط ہے۔ دیوانِ نجم میں اس فلسفے کے فکری اور جمالیاتی مظاہر: مختلف اور متنوع رنگوں میں منکشف ہوئے ہیں۔ اس مجموعے میں عشق اور

☆ صدر شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

وارداتِ عشق کی استعاراتی تعبیر: شعر کا لبادہ اوڑھ کر، فکر و شعور کا سرمایہ بن گئی ہے۔اس تخلیقی رویے کا اظہار: ایک طرف شاعر کو خانقاہی نظامِ فکر و عمل میں تجلیل عطا کرتا ہے تو دوسری جانب شاعری میں بھی اسے بلند مقامی سے سرافراز کرتا ہے۔ اس مقام تک رسائی کوئے فنا سے گزرے بنا ممکن نہیں ہوتی، ہو سکتی بھی نہیں، کیونکہ بقا کی منزل کا امکان، فنا کی وادی سے گزرے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ فنا اور بقا کی منزلوں پر عرفانی تجربے کی کار فرمائی نئے امکانات کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اور اس صداقتِ خیال کے تخلیقی اظہارات اس دیوان میں دکھائی دیتے ہیں۔یہ اشعار دیکھیے کہ جن میں عشق اور معاملاتِ عشق کا علامتی اور استعاراتی آہنگ بالکل مختلف اور نئے رنگوں میں متشکل ہو رہا ہے:

کہا تھا میں تجھے اے دل نہ کر عشق
کہ آخر مانگ لیتا ہے یہ سر عشق
فغاں کرتا ہے ہر عاشق شب و روز
جو کرتا ہے انھیں زیر و زبر عشق

حاجی تو جاتے ہیں مکہ کی طرف
میری منزل سنگھڑ و ملتان ہے

خوب وہ دن تھے کہ میں جاتا تھا سنگھڑ کی طرف
اب پڑی مشکل مرے واں آونے کی دوستا

عزیز و جاونا سنگھڑ کا ہے معراج عاشق کو
کہ رتبہ عرش جیسا ہے میاں اس بامِ سنگھڑ کا
شہیدِ عشق سے پوچھو کوئی تعریف سنگھڑ کی
کہ اس نے چکھ لیا ہے ذائقہ صمصامِ سنگھڑ کا

لذتِ دردِ محبت سے نہ تھا میں واقف
جب تلک عشق میں اس بت کے گرفتار نہ تھا

(۲)

دیوانِ نجم کی کچھ غزلوں میں، "میں" کا لفظ: نفی اور اثباتِ وجود کے ایک ایسے موسم میں طلوع ہوا ہے، جو وحدۃ الوجودی مکاشفے کی خوش آثار واردات اور کیفیات کا عکاس بن گیا ہے۔ اس عرفانی تجربے کی خوشبو، جہاں وجودِ واجب کی تجلیات کی بے رنگی کا استعارہ بن گئی ہے، وہیں وجودِ امکان کی نیرنگی کے امکانات بھی کھِل اُٹھے ہیں۔ ہمارے اس صوفی شاعر کے لیے یہ تجربہ: محض علمی اور نظری رنگوں کی جمالیات کا آئینہ دار نہیں رہا، بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر وہ وجدانی اور عرفانی تجربات کی خوشبو سے معطر ہو گیا ہے۔ وجودِ امکانی کی جلوہ آرائی، جب وجودِ مطلق کی تجلیات سے مستنیر ہو کر، نفی اور اثبات کے عرفانی اظہارات میں متشکل ہوتی ہے تو عرفانِ ذات کا منظر نامہ نئے موسموں کی نوید بن جاتا ہے اور یوں یہ طرزِ احساس کتنے ہی خوش کُن رنگوں میں آشکار ہو کر، گنجینۂ معانی کی طلسماتی فضا میں ڈھل جاتا ہے۔

نفی اور اثبات کی جو کیفیات صوفی شاعر کے آئینہ دل پر منعکس ہوتی ہیں، ان کا شعری اظہار وجدانی کیفیات میں اُتر آتا ہے اور یوں اس شعری بیانیے میں خارج اور باطن کے سارے رنگ "میں" کے تناظر میں کھِل اُٹھتے ہیں۔ کہیں ان کا یہ اظہار: نفیِ ذات کی واردات کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور کہیں یہ بیانیہ اثباتِ وجود کے رنگوں میں ڈھل کر عرفان کے آنگن میں اُتر آتا ہے۔ نفی اور اثباتِ ذات کے رنگ، اس وجدانی اور مکاشفاتی تجربے کی خوشبو سے ہم آہنگ ہو کر، شعری تخلیق کا اظہاریہ بن گئے ہیں۔ "میں" کے تناظر میں نفی اور اثبات کے رنگوں کا شعری اظہار ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح یہ رنگ وحدۃ الوجودی کیفیات کا غماز ہے:

ہر بھیس میں، ہر شکل میں، ہر شان میں: میں ہوں
بستی میں، پہاڑوں میں، بیابان میں : میں ہوں
تنزیہہ میں ہوں اور یہ تشبیہہ بھی میں ہوں
سو طرح سے ہر جلوہ و ہر آن میں: میں ہوں

گرچہ خورشید کے مکھڑے پہ ہے کرنوں کا نقاب
نور اس کا ہی ہوا ہے تیری آنکھوں پہ حجاب
ہستیِ کثرتِ موہوم کو اس طور سے جان
جیسے دریا میں اُٹھا کرتی ہیں امواجِ حباب
نسبتِ واجب و ممکن کو بھی اس طرح سمجھ
جس طرح برف و نمک رکھتے ہیں نسبت با آب

تو ہے دریا، حباب اس کا ہی ہوں میں
مجھے گر محو کروا دے تو کیا خوب
میں ہوں قطرہ ترا اے بحر وحدت
مجھے اپنے میں ملوا دے تو کیا خوب

آج ہاتف نے یہ بشارت دی
نجم داخل ہے بیدلوں کے بیچ

ٹک وصل کے پانی سے بجھا آتشِ سینہ
بس آگ میں فرقت کی جلایا ہمیں ہر چند

خوش دلی سے ہی وہ انا الحق تھا
دل پہ منصور کے جو چھایا حظ

ہو اللہ اور انا اللہ ایک سمجھو
نجم تو رکھ یہی اک بات ملحوظ

ہستی اور پندار کو دل سے نکال
آرزو میں یار کی ماٹی میں مل

(۳)

حاجی نجم الدین سلیمانی فارسی، اردو اور ہندی کے شاعر تھے۔ ان تینوں زبانوں میں ان کے اشعار ان کی زبان دانی اور قادرالکلامی کے گواہ ہیں۔ انھوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی، لیکن غزل ان کی شناخت بھی ہے اور پہچان بھی۔ ان کی اردو غزلیں اگرچہ کلاسیکی طرزِ اظہار اور روایتی حسنِ نگارش کی خوشبو سے معطر ہیں، مگر ان کے انفرادی اور شخصی طرزِ احساس کی کوملتا سے بھی محروم نہیں۔ وہ سچے اور سُچے شاعر تھے۔ انھوں نے اپنے روحانی اور وجدانی تجربے کی بوباس کو لباسِ شعر میں ملبوس کیا تو ان کی غزلیں رعنائیِ خیال اور صداقتِ احساس کی دلیل بن گئیں۔ ان کی شاعری ان کے شورانگیز ہجر کی ترجمان بھی ہے اور وصالِ مرشد کے خوش

آثار لمحوں کی عکاس بھی۔ عشق ان کی غزل کا بنیادی موضوع ہے اور ان کی تمام تر غزلیں اسی موضوع اور اس کے متعلقات کے گرد، گردش کُناں رہتی ہیں۔ خانقاہی زندگی نے اس موضوع کے معنوی اور جمالیاتی ابعاد کو وہ روحانی بالیدگی عطا کی ہے، جو سنگھڑ اور تونسہ جیسے استعاراتی آہنگ سے ظہور پذیر ہوئی۔ ان کے ہاں لفظ اور معنی کا فکری ارتباط: رنگ و نور کے تناظر میں اس طرح نمو پذیر ہوتا ہے کہ ان کے لہجے کی انفرادیت: رعنائی اور زیبائی کے احساس سے معمور ہو جاتی ہے۔ ان کے کلام میں لفظ کے انتخاب سے معانی کی ترسیل تک کے تمام تر مراحل ان کے منفرد طرزِ احساس کے ضامن بھی ہیں اور ان کی جدتِ فکر کے ترجمان بھی۔ ان کی شعری لفظیات اور استعاراتی جمالیات: خانقاہی تہذیب اور تاریخ کی اوٹ سے منکشف ہوتی ہیں تو علاماتی اور رمزیاتی آہنگ کی نقیب بن جاتی ہے۔ وہ لفظ کو ہند اسلامی تہذیب کے فکری اور معنوی پس منظر میں اس طرح اُجاگر کرتے ہیں کہ ان کے شعر کا فنی اور تکنیکی دروبست اپنے ہونے کی نوید بن جاتا ہے۔ کسی بھی شاعر کو یہ مقام بآسانی ہاتھ نہیں آتا، کیونکہ لفظ کا انتخاب اپنے معنوی مدار میں تہذیب کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ لفظ شناسی، لفظ کا انتخاب اور لفظ کا تکنیکی اور تخلیقی اظہار: گنجینۂ معانی کے طلسماتی اُفق سے طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی شعر کے دریچوں میں لَو دے اُٹھتی ہے۔

دیوانِ نجم لسانی اعتبار سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس مجموعے میں زبان اور بیان کا اظہار نہایت ہی تخلیقی انداز میں سامنے آتا ہے۔ شاعر کی اردو زبان: علاقائی زبانوں کی خوشبو سے معطر اور متنوع رنگوں سے مزین ہے۔ اس حوالے سے اس مجموعے کی موضوعاتی ہمہ گیری اور لسانی ہمہ رنگی کا مطالعہ اور تجزیہ اس کے تخلیقی اظہارات کا پیش خیمہ ہو گا۔ شاعر کا نام اور ان کا کلام، چونکہ کسی بڑے ادبی دائرے میں کبھی معروف نہیں رہا، اس لیے لازم ہے انیسویں صدی کے شعری منظر نامے میں، ان کے کلام کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کے لسانی تجربات چونکہ ان کے اجتہادی طرزِ احساس کے نقیب ہیں، اس لیے ان کی گرہ کشائی شاعر کی زندگی جاوداں کی آئینہ دار ہو گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اولاً ان کے کلام کا انتقادی متن مرتب کیا جائے اور مابعد اس کا تنقیدی جائزہ لیا جائے، تاکہ شاعر کا کلام اس کے تمام تر فکری اور فنی محاسن کے تناظر میں جلوہ گر ہو سکے۔ بصورتِ دیگر خانقاہی زندگی میں بھی کلام کی اشاعت یقیناً کچھ معنویت کی حامل تو ضرور ہو گی، مگر ایک بڑے کینوس پر اپنی تمام تر معنویت کے ساتھ کلام کی اشاعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا۔

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے دیگر خانقاہوں اور خانوادوں سے تعلقات وروابط

ڈاکٹر مظہر حسین بھدرو☆

پس منظر

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) جس کی بنیاد علامہ شاہ عبد المجید قادری نے ۱۲۳۵ھ میں رکھی۔ ابتدا سے لے کر عہدِ حاضر تک خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے مشاہیر وعلمانے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس خانقاہ کے بزرگ ہر میدان میں شریعتِ اسلامیہ کی تبلیغ کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ ابتدا سے لے کر اب تک دو سو سال ہو چکے ہیں۔ لیکن آج بھی خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے مشائخ اور وابستگان نے دعوت و تبلیغ، تزکیہ و تصفیہ اور خدمتِ خلق کو جاری رکھا ہوا ہے۔

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے تعلقات دیگر خانقاہوں اور خانوادوں سے ہمیشہ مثالی رہے ہیں۔ علومِ دینیہ کے فروغ اور ملک وملت کی خدمت کے پیشِ نظر، خانقاہ قادریہ عثمانیہ کے مشائخ نے ہمیشہ دیگر خانقاہوں اور خانوادوں کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ ان تعلقات کے نتیجہ میں نہ صرف علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت کے مؤثر نتائج برآمد ہوئے ہیں بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر اتحاد و یگانگت اور بھائی چارے کو فروغ ملا ہے جو کہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

دینی اور ملی خدمات کے اسی مزاج اور مقصدیت کا نتیجہ تھا کہ خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں شریف کے ساتھ ملک کی تمام تر چھوٹی بڑی خانقاہوں کے گہرے اور اخلاص آمیز تعلقات وروابط استوار رہے، جو ملی اتحاد اور مسلکی اتفاق کے حوالے سے تاریخ کا ایک تابناک اور قابلِ رشک باب بھی قرار دیا جاسکتا ہے، جس کے پس پشت صرف خلوص وللّٰہیت، دینی تعلیمات اور مسلک حق کی اشاعت وفروغ کا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔ علامہ فضل رسول بدایونی اور علامہ عبد القادر بدایونی کا عہد خانقاہی روابط کی حیثیت سے خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کا سنہری دور رہا ہے جس میں ملک کی تمام تر قدیم وجدید خانقاہوں کے ساتھ اثر پذیری اور اثر اندازی دونوں جہتوں سے تعلقات ونسبت کی کیف آگیں فضا خانقاہی نظام اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کی راہیں مہکا رہی تھی۔

ذیل میں مختلف خانقاہوں اور خانوادوں کے خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے ساتھ تعلقات کا تحقیقی جائزہ درج ذیل ہے۔

خانقاہ رضویہ بریلی شریف

خانقاہ رضویہ بریلی کے موسس وبانی علامہ احمد رضا خاں بریلوی کے خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) سے تعلقات بہت

☆ پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ، شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

گہرے اور مثالی تھے۔خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے شیوخ و خلفا میں سے علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ عبدالقادر بدایونی، علامہ عبدالمقتدر قادری، علامہ عبدالقدیر، علامہ عبدالماجد بدایونی اور علامہ محب احمد قادری سے والہانہ عقیدت، تعلق اور روابط کا پتہ چلتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں عقائدِ باطلہ کے رَد اور شریعتِ اسلامی کی ترویج و اشاعت میں علامہ فضل رسول بدایونی کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کے عقائد میں ایک کتاب "المعتقد المنتقد" تالیف کی۔ علامہ احمد رضا خان بریلوی نے اس کا حاشیہ "المستند المعتمد" کے نام سے تحریر کیا اور متن کی تصحیح و نظر ثانی کی۔ کتاب آج بھی مدارسِ اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔ ا

اعترافِ حقیقت

علمائے بریلی اور خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) سے وابستہ علما میں مضبوط دینی و فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی یوں رقمطراز ہیں:

"ایک فریق وہ تھا جو شدت سے اپنی روِش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بدایوں اور بریلی کے علماء تھے۔" ۲

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) اور خانقاہ رضویہ بریلی کی مسلکی و فکری ہم آہنگی کا رشتہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی سے جا کر ملتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"اودھ میں بڑے بڑے معقولین پیدا ہوئے۔ آخری دور کے سالارِ اعظم علامہ فضل حق خیر آبادی تھے۔ انہوں نے شاہ اسمعیل شہید کے افکار کی سختی سے تردید کی۔ علمائے بدایوں و بریلی اس سلسلے میں ان کے معاون اور ہمنوا تھے۔" ۳

احترام و لحاظ

علامہ احمد رضا خاں بریلوی خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے مشائخ کا بہت احترام کرتے تھے۔ علامہ اسمعیل حسن میاں لکھتے ہیں کہ علامہ احمد رضا خاں بریلوی وعظ کرنے سے عموماً احتراز کرتے تھے۔ ایک دفعہ جامع مسجد سیتا پور میں ایک شخص نے بلا اجازت یہ اعلان کر دیا کہ آپ خطاب کریں گے۔ آپ کو یہ اعلان ناگوار گزرا۔ لیکن اس دوران علامہ عبدالقادر بدایونی بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا! لوگ رُکے ہوئے ہیں کچھ بیان کر دیجئے، علامہ احمد رضا خاں بریلوی نے پھر سورۃ اعلیٰ کا نہایت ہی اعلیٰ بیان کیا۔

پچیس سالہ تعلق

علامہ احمد رضا خاں بریلوی کا خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے شیخ علامہ عبدالقادر بدایونی سے پچیس سال تعلق رہا اور اکثر اسفار میں اکٹھے ہوتے۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کے ہاں اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ

علامہ احمد رضاخاں بریلوی خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) علامہ عبدالقادر بدایونی کے عرس پر تشریف لے گئے۔ وہاں صبح ۹ بجے سے ۳ بجے تک چھ گھنٹے سورۃ والضحیٰ پر خطاب کیا۔۴

مجلس علمائے اہل سنت کی صدارت

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے شیخ علامہ عبدالقادر بدایونی کی علمائے اہل سنت کی نظر میں بڑی قدرومنزلت تھی۔ جب مجلس علمائے اہل سنت ۱۸۹۸ء میں قائم ہوئی۔ تو علامہ احمد رضاخاں بریلوی نے علامہ عبدالقادر بدایونی کا نام برائے صدارت پیش کیا۔ لیکن علامہ عبدالقادر بدایونی نے معذرت کی اور مولانا سید عبدالصمد چشتی سہسوانی کو نامزد کیا گیا اور وہ اتفاق رائے سے صدر منتخب ہوئے۔۵

نذرانہ عقیدت

علامہ احمد رضاخاں بریلوی نے خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے مشائخ کی مدحت میں عربی اور اردو میں نذرانہ عقیدت بھی پیش کیا ہے۔ آپ نے علامہ فضل رسول بدایونی کے عرس کے موقع پر دو عربی قصائد نظم کیے اور پڑھے۔ ایک قصیدہ نونیہ اور دوسرا قصیدہ دالیہ۔ دونوں قصائد کے ۳۱۳ اشعار ہیں۔ ان قصائد کو ترجمہ و تشریح اور ایک ضخیم مقدمہ کے ساتھ "قصید تان رائعتان" کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک "قصیدہ چراغ انس" اردو میں علامہ عبدالقادر بدایونی کی مدحت میں لکھا۔ اس قصیدہ کو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ۱۹۹۸ء میں صد سالہ عرس تاج الفحول کے موقع پر شائع کیا۔

علامہ احمد رضاخاں بریلوی نے ایک عربی قصیدہ "آمال الابرار والاشرار" لکھا۔ یہ قصیدہ ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ میں منعقدہ اجلاس علمائے اہل سنت جماعت کے موقع پر لکھا گیا۔۶

علامہ احمد رضاخان بریلوی کے اس قصیدے کے ایک شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ یہ علما جب غیر آباد جگہ پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ جگہ ان کی برکت سے پر رونق شہر بن جاتی ہے اور وہ شہر جس سے رخصت ہو جاتے ہیں تو وہ شہر ویران ہو جاتا ہے۔ مولانا ظفرالدین بہاری جو کہ علامہ احمد رضاخاں بریلوی کے تلمیذ تھے۔ انھوں نے اعتراض کیا کہ یہ شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں علامہ احمد رضاخان بریلوی نے کہا کہ علامہ عبدالقادر بدایونی کی یہ شان ہے کہ جس شہر میں بھی تشریف لے جاتے تو اس شہر کی حالت بدل جایا کرتی تھی۔ عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی۔ جب وہاں سے تشریف لے جاتے تو باوجود اس کے سب لوگ موجود ہوتے لیکن ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔۷

خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف

غیر منقسم ہندوستان کی وہ عظیم خانقاہیں جن کے خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کے ساتھ خوشگوار مسلکی تعلقات، مضبوط علمی روابط اور بامقصد فکری ہم آہنگی رہی ہے ان میں خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف کا نام کئی جہت سے نمایاں اور انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

مندرجہ ذیل سطور میں ملک کی ان دونوں علمی اور روحانی خانقاہوں کے باہمی روابط، جہات اور ان روابط کے صالح اثرات و نتائج کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف کا شمار ملک کی ان معتمد خانقاہوں میں ہوتا ہے جہاں سے مذہب و مسلک کی دعوت، عقیدہ و عمل کی اصلاح اور باطل افکار و نظریات کے خلاف ہمہ گیر مہم چلانے کا کام اتنے منظم اور تسلسل کے ساتھ کیا گیا کہ جس کے اثرات پورے ہندوستان میں محسوس کیے گئے۔ خانقاہ صمدیہ کے بانی صدر مجلس علمائے اہل سنت، حافظ بخاری مولانا سید عبد الصمد چشتی کی ذاتِ گرامی اسلامیان ہند کے لیے غیر مانوس نہیں ہے، مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت، عقائد اہل سنت کی حفاظت اور باطل نظریات کے خلاف آپ کی ہمہ جہت خدمات کا اعتراف پوری ملتِ اسلامیہ کو ہے جس کا ذکر کیے بغیر ہندوستانی پس منظر میں اہل سنت کی دعوتی اور تبلیغی کارگذاریوں کی تاریخ کبھی مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔۸

ان دونوں خانقاہوں کے بیچ روابط کی جہت علمی بھی ہے، تبلیغی اور دعوتی بھی ہے اور ملک کے سیاسی منظر نامے پر جب خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کی شاہین صفت شخصیات اُبھر کر سامنے آتی ہیں تو اس میدان میں بھی خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف کی روحانی اور صاحب بصیرت شخصیات چاپ سے چاپ ملا کر چلتی ہوئی نظر آتی ہیں اور پھر آگے چل کر ان دونوں خانقاہوں کے درمیان روابط کے باب میں "ربط مصاہرت" کے ایک اور خوبصورت، محبت آمیز اور پر مسرت باب کا اضافہ ہو جاتا ہے جو خانقاہ صمدیہ کو ملک کی دیگر خانقاہوں میں انفرادیت کا احساس دلاتا ہے۔ جہاں تک میری معلومات کام کر رہی ہے خانقاہ قادریہ بدایوں کے ملک کی کسی دوسری خانقاہ کے ساتھ روابط و تعلقات میں اتنا تنوع دیکھنے کو نہیں ملتا ہے۔۹

علمی روابط

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) سے ملنے والے علمی فیضان نے دونوں خانقاہوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے روابط و تعلقات کی مستحکم بنیاد قائم کر دی جس میں "اثر پذیری" اور "اثر اندازی" دونوں جہتوں کا حسین امتزاج تھا۔ حافظ بخاری خانقاہ قادریہ سے اپنی نسبت علمی کا تاحیات برملا اعتراف کرتے رہے جس کا منہ بولتا ثبوت آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ کے قلم حق نما سے جتنی علمی اور تحقیقی نگارشات معرض وجود میں آئیں ان میں اکثر تصانیف کی ابتدا آپ ان جملوں سے کرتے ہیں: "احقر الطلبہ مدرسہ قادریہ سید عبد الصمد سہسوانی کہتا ہے" اس چھوٹی سے سطر کے بین السطور سے اپنے مادرِ علمی مدرسہ قادریہ کے تئیں حافظ بخاری کی محبت، لگاؤ، احسان شناسی اور علمی فیضان کی جو خود اعترافی جھلک رہی ہے اس کو سامنے رکھ کر خانقاہ صمدیہ اور خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے مابین علمی روابط کی نوعیت اور اس کی گہرائی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔۱۰

حافظ بخاری خواجہ عبد الصمد چشتی کے خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کی ذِی علم اور کیمیا گر شخصیات کے ساتھ تاحیات علمی روابط رہے جو افادہ اور استفادہ تک محدود نہیں تھے بلکہ جب بھی خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں پر غیروں کی طرف سے اوچھے حملے کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی اور بدایونی نظریات اور مسلک کو چیلنج کرنے کی جسارت ہوئی تو ایک بلند حوصلہ اور باغیرت شاگرد کی طرح حافظ

بخاری پورے علمی جاہ و جلال کے ساتھ خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کا مضبوط دفاع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یوں دونوں خانقاہوں کے مابین علمی روابط میں استاد کی شفقت اور شاگرد کی غیرت و حمیت کا رنگ ان رابطوں کو مزید مستحکم، مضبوط، غیر متزلزل اور پر خلوص بنا دیتا ہے۔۱۱

تبلیغی روابط

ہندوستان میں بیسویں صدی کا نصف اول مسلک و مذہب اور عقیدہ و ایمان کے حوالے سے بڑا کشمکش، افراتفری اور فتنوں کا زمانہ رہا ہے۔ اس تناظر میں خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں اور خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف کا کردار جہاں انفرادی سطح پر ممتاز اور درخشندہ نظر آتا ہے وہیں عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت، فکر و عمل کی تبلیغ اور مذاہبِ باطلہ، غیر مقلدیت، رافضیت، خارجیت جیسے تمام فتنوں کے خلاف محاذ آرائی میں دونوں خانقاہوں کی ہم آہنگی اور متحرک روابط کے حوالے سے تاریخ کا روشن باب ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔۱۲

سیاسی روابط

حافظ بخاری خواجہ عبد الصمد کے خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں سے جو علمی اور تبلیغی تعلقات رہے آپ کے بعد آپ کے فرزند خواجہ مصباح الحسن چشتی نے اس کا تسلسل برقرار رکھا اور ان روابط کو مزید استحکام بخشا، آپ کے زمانے میں یہ روابط دین و مذہب اور مسلک تک محدود نہیں رہے بلکہ جب خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کے ارباب فکر و دانش مسلک حق کی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ ملک کے بگڑتے حالات، مسلمانوں کی پسماندگی اور ان کے ساتھ دیگر قوموں کے مکر و فریب کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے آگے آئیں اور مذہبیات سے آگے بڑھ کر سیاست کے میدان میں قدم رکھا تو اس وقت خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف بھی خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے شانہ بشانہ فکری، نظریاتی اور عملی ہر جہت سے ساتھ چل رہی تھی۔۱۳

مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا عبد القدیر بدایونی جن سیاسی نظریات کے حامل تھے۔ مجاہدِ حریت علامہ سید مصباح الحسن چشتی بھی انھیں سیاسی نظریات پر یقین رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں دونوں خانقاہوں کے درمیان اس قدر ہم آہنگی تھی کہ خواجہ مصباح الحسن چشتی سیاسی حلقوں میں مولانا عبد القدیر بدایونی کے ہم خیال اور رفقائے خاص میں شمار کیے جاتے تھا۔ سیاسی تال میل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد قادری تحریر کرتے ہیں:

> "علامہ قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی، علامہ مصباح الحسن مودودی چشتی، علامہ فضل الحسن حسرت موہانی اور مولانا عبد القدیر بدایونی ایسے تھے جو انگریزوں کے خلاف ہر ذریعہ کو استعمال کرنے کو درست سمجھتے تھے۔ اس کا تعلق اصل میں اسلامی تاریخ سے وابستگی سے تھا۔ گاندھی جی عدم تشدد پر عقیدہ رکھتے تھے، مگر یہ جماعت اسے اپنا عقیدہ کیسے بناتی؟"۱۴

جب " آل انڈیا سنی کانفرنس" ملک کے چپے چپے میں جلسے کر کے مسلمانوں کی ذہن سازی اور انھیں مستقبل کے لیے ہر اعتبار سے تیار رہنے کے لیے مہمیز کر رہی تھی اس وقت تنظیم کے دو تاریخی اجلاس خانقاہ کچھوچھہ شریف کے زیر سرپرستی اور مجاہد آزادی علامہ مصباح الحسن چشتی کی بافیض قیادت و رہنمائی میں منعقد ہوئے۔ جس میں پہلا اجلاس ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء میں ہوا اور دوسرا اجلاس دو مہینہ کے بعد ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ اس تاریخی اجلاس میں ملک و ملت کی عظیم شخصیات نے شرکت فرمائی مثلاً: ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا امجد علی اعظمی اور خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کی نمائندگی مجاہد آزادی علامہ عبد الحامد بدایونی کر رہے تھے۔ ۱۵

ربطِ محبت

حافظ بخاری عبد الصمد چشتی کے واسطے سے خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کے ساتھ خانقاہ صمدیہ کچھوچھہ شریف کے جو علمی اور تبلیغی روابط قائم ہوئے تھے وہ خواجہ مصباح الحسن چشتی کے عہد میں سیاست سے گزرتے ہوئے علامہ سید شاہ اکبر میاں تک آتے آتے آپ کی کوشش سے "رشتۂ مصاہرت" میں بدل جاتے ہیں، چناں چہ علامہ عبد الحمید محمد سالم القادری، جو خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کے موجودہ صاحب سجادہ، علامہ عبد القدیر بدایونی کے فرزند ہیں۔ اکبر المشائخ کی سب سے بڑی صاحب زادی صاحبہ آپ ہی کے عقد میں ہیں۔ اب دونوں خانقاہوں کے درمیان علمی، دعوتی اور سیاسی روابط کے ساتھ "ربطِ محبت" کی خوشبو بھی مہک رہی ہے اور دونوں جانب سے پورے اخلاص کے ساتھ اس رشتۂ محبت کو نبھایا جا رہا ہے۔ ۱۶

خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف

اتر پردیش کے معروف ضلع فیض آباد کا ایک تاریخی قصبہ ہے جو سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ایک ممتاز بزرگ مجدد سلسلہ چشتیہ صابریہ شیخ العالم شیخ احمد عبد الحق صاحب توشہ ردولوی کا مرکز و مسکن ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں سلسلہ چشتیہ بابا فرید گنج شکر سے دو اہم شاخوں میں منقسم ہے۔ ایک کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور دوسرے کو سلسلہ چشتیہ صابریہ سے جانا جاتا ہے۔ ۱۷

سلسلہ چشتیہ صابریہ کے موسس

مخدوم علاء الدین صابر کلیری کے خلیفہ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی ہوئے اور آپ کے خلیفہ جلال الدین کبیر الاولیا ہوئے، شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبد الحق صاحب توشہ ردولوی حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیا کے ممتاز اور قابلِ فخر خلیفہ ہیں جن پر پورے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو فخر و ناز ہے۔ شیخ العالم حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی کے جدِ امجد حضرت شیخ داؤد، سلطان علاء الدین خلجی کے دورِ حکومت میں ہندوستان تشریف لائے، سلطان نے ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی، نیز اَوَدھ کا ایک بڑا علاقہ جہاں حضرت شیخ العالم کے والدِ گرامی شیخ عمر اور دادا کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے کو عنایت کیا۔ حضرت شیخ العالم کا یہ خانوادہ علم و روحانیت ہمیشہ سے علما و مشائخ کا مرجع رہا ہے۔ اس خانوادہ علم و روحانیت کے اکابر و اسلاف نے تسلسل کے ساتھ ہر دور میں امتِ مسلمہ اور وابستگانِ سلسلہ کی دینی و روحانی تطہیر و تزکیہ کا عظیم فریضہ انجام دیا ہے۔ ۱۸

خانوادہ شیخ العالم ردولی شریف سے خانوادہ قادریہ کے تعلقات وروابط کا نقطۂ آغاز

خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کا خانوادہ شیخ العالم ردولی شریف سے باہم خلوص ومحبت پر مبنی تعلقات وروابط کی تاریخ سوا دو صدی پرانی ہے اور جب سے اب تک ہر دور میں یہ رشتۂ محبت وخلوص قائم ہے۔ اور ان شاء اللہ آگے بھی یہ رشتۂ خلوص ومحبت قائم و باقی رہے گا۔۱۹

علامہ فضل رسول بدایونی اور خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف

خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کے اکابر واسلاف میں علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی وہ پہلی شخصیت ہیں جن کے عہد سے خانوادہ شیخ العالم ردولی شریف سے باضابطہ تعلقات وروابط کا آغاز ہوا۔ خانقاہ شیخ العالم کے سجادہ نشین شاہ درویش احمد بن شیخ علی احمد کے عہد میں آپ کی دستار بندی خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف میں ہوئی اور یہیں سے خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف سے خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کے روابط وتعلقات کا آغاز ہوا۔۲۰

حاجی شاہ التفات احمد احمدی کے ہم عصر علما ومشائخ سے گہرے تعلقات ومراسم تھے۔ آپ نے اپنے عہد میں جماعتِ اہل سنت میں اتحاد اتفاق کے لیے غیر معمولی کردار انجام دیا۔ بدمذہبوں کے خلاف اہل سنت وجماعت کی تحریکات میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ آپ کے عہد میں ندوۃ العلماء کے خلاف بعض ناگزیر وجوہات کی وجہ سے سرگرم تحریک شروع ہوئی۔ اہل سنت وجماعت کے اکابر علماو مشائخ ابتداءً ندوہ کی تحریک میں شامل رہے بلکہ ابتدا کے کچھ اجلاس میں شریک بھی ہوئے لیکن بعد میں کچھ ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کی اور مخالف تحریک کا آغاز کیا۔۲۱

علمائے اہل سنت کے شانہ بشانہ ندوہ کے خلاف اہل سنت وجماعت کی اساسی تحریک ''مجلس علمائے اہل سنت'' کی تقویت و تائید کے لیے اس وقت کے زیبِ سجادہ حاجی شاہ التفات احمد احمدی نے بھی سرگرم کردار ادا کیا۔ علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری کی زبانی معلوم ہوا کہ علمائے فرنگی محل میں سے کچھ حضرات ندوہ کی بظاہر اتحاد بین المسلمین اور اصلاح نصاب کے پُر فریب نعرے سے متاثر ہو کر اس کی تائید وحمایت میں کھڑے تھے۔ علامہ عبدالقادر بدایونی کی علمی عبقریت، مرجعیت اور بزرگی جماعت اہل سنت میں مسلم تھی۔ دیگر خانوادوں کی طرح خانوادہ فرنگی محل میں بھی آپ کی علمی عبقریت کا اعتراف واحترام تھا۔ اس لیے عرس شیخ العالم کے موقع پر حاجی شاہ التفات احمد نے دیگر علمائے اہل سنت کے ساتھ بطور خاص علمائے فرنگی محل کو بھی عرس میں شرکت کی دعوت دی، اس سے ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جب علمائے فرنگی محل بھی عرس میں شرکت کی غرض سے تشریف لائیں گے۔۲۲

تو ان کی ذہن سازی اور افہام وتفہیم کی غرض سے علامہ عبدالقادر بدایونی کی شرکت ہو جائے تاکہ اہل سنت میں اس طرح سے اتحاد کی راہیں ہموار کی جاسکیں اور اہل ندوۃ کے دام تزویر سے جماعت اہل سنت کو محفوظ رکھا جاسکے۔ چنانچہ حاجی شاہ التفات احمد نے علامہ عبدالقادر بدایونی کے نام اسی تعمیری مقصد پر مبنی ایک مکتوب بھیجا جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ:

"اس سال عرس شیخ العالم میں ہم نے علمائے فرنگی محل میں ان شخصیات کو بھی مدعو کیا ہے جن کے دل میں اب تک تحریک ندوہ کے لیے نرم گوشہ ہے۔ آپ بطورِ خاص اس بار عرس میں شریک ہوں تاکہ آپ کی تفہیم ان کے لیے مؤثر ہو سکے۔ آپ کے علاوہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسی متفق علیہ شخصیت نہیں جن کی بات ان کی تفہیم میں کارگر ثابت ہوگی۔"۲۳

علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری اور خانقاہ شیخ العالم

علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری اپنے والدِ گرامی علامہ عبدالقدیر قادری بدایونی کے وصال کے بعد مسندِ سجادگی کو زینت بخشی۔ اس وقت سے آج تک آپ اپنے اکابر و اسلاف کے مسلک پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے رشد و ہدایت، اصلاح و ارشاد اور وابستگانِ سلسلہ کی دینی اور روحانی تربیت میں مصروفِ عمل ہیں۔ خانقاہ شیخ العالم کے موجودہ صاحب سجادہ شاہ عمار احمد احمدی کے داداشاہ آفاق احمد احمدی سے بڑے گہرے اور قریبی تعلقات و روابط رہے۔ علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری ان کی حیات میں متعدد بار عرس شیخ العالم کے موقع پر تقریباتِ عرس میں شرکت کے لیے حاضر ہو چکے ہیں اور آپ کے بعد اب موجودہ نیر ملت سے بدستور حسن تعلقات قائم ہیں۔ نیر ملت کی عہدِ سجادگی میں بھی علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری قدیم رشتہ محبت کو پروان چڑھانے اور بارگاہِ شیخ العالم سے روحانی فیوض و برکات کی تحصیل کے متعدد بار اعراس کی تقریبات اور اس کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی ردولی شریف حاضر ہوتے رہے ہیں۔

علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری کے نام متعدد خطوط و مراسلات ہیں اسی طرح علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری کے خانقاہ شیخ العالم کے مذکورہ دونوں شخصیات کے نام متعدد مکاتیب و رقعات ہیں جو ان حضرات کی آپسی الفت و محبت، احترام و عقیدت، ایک دوسرے کے مراتب و مقام کی پاسداری اور دونوں خانقاہوں کے قدیم و جدید رشتہ محبت و الفت کو بخوبی اجاگر کرتا ہے۔ علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری اور نیر ملت کے درمیان خانقاہی نظام کے فروغ، خانقاہی نظام کے احیا اور جماعتی فلاح و بہبود کے ساتھ مسلک اہل سنت کی اشاعت کے تعلق سے جو فکری و عملی یگانگت ہے وہ ان دونوں شخصیات کی اپنے اکابر و اسلاف کے مشن سے والہانہ وابستگی کا حسین مرقع ہے۔۲۴

اخیر میں اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں خانقاہوں کے درمیان دو صدی قبل ان کے اکابر و اسلاف نے جس رشتۂ الفت و محبت کی بنیاد رکھی تھی کسی بھی عہد میں اس میں کمی نہیں آئی بلکہ یہ رشتہ زد فزد کے بہ موجب بڑھتا ہی گیا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری نے اس رشتے کو مزید توانائی عطا کرنے کے لیے متعدد بار عرس شیخ العالم میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور خانقاہ شیخ العالم کے فیوض و برکات سے اپنے دامن کو وسیع تر کیا۔ اسی طرح نیر ملت نے بھی متعدد بار عرس قادریہ میں شریک ہو کر درگاہِ قادری کو زینت بخشی۔ نیر ملت نے اپنے قدیمی رشتۂ محبت کو مزید پختگی عطا کرنے اور رشتۂ الفت و محبت

کو دو آتشہ کرنے کے لیے اپنے بڑے صاحبزادے شاہ آفاق احمد احمدی جنھیں خانقاہ قادریہ میں پیارے سے صوفی صاحب کی عرفیت سے بلاتے ہیں کہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کی قدیم دینی دانش گاہ مدرسہ عالیہ قادریہ میں تعلیم وتربیت کے لیے بھیجا۔۲۵

صوفی صاحب کئی سالوں تک علامہ اسید الحق قادری بدایونی کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم میں مصروف رہے اور یہاں سے جانے کے بعد پوری ذمہ داری سے تقریبات میں شرکت کے لیے آتے۔اسی طرح جب سے علامہ عبدالحمید محمد سالم القادری نے نقاہت کی وجہ سے بدایوں سے باہر کا سفر موقوف کیا ہے تو علامہ عطیف قادری اور علامہ عزام قادری عرس شیخ العالم میں شریک ہوتے ہیں۔صوفی میاں یا ان کے بھائی یوسف میاں جب بھی بدایوں آتے ہیں تو انھیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کہیں گھر سے باہر ہیں اتنی اپنائیت ہوتی ہے۔۲۶

خانوادہ علیمیہ

خانوادہ علیمیہ سے مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی آپ کے برادر مولانا احمد مختار میرٹھی، مولانا نذیر احمد خجندی اور آپ کے فرزندان مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا محمد جیلانی صدیقی مراد ہیں۔۲۷

مخلصانہ تعلقات کی بنیادیں

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے اکابر اور خانوادہ علیمیہ کے درمیان کئی قدریں مشترک تھیں جو باہمی خلوص و محبت اور مشترکہ جدوجہد کی بنیاد ہیں۔خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے اکابر اور خانوادہ علیمیہ کے درمیان مکمل دینی و فکری ہم آہنگی تھی جو ایک مضبوط رشتہ خلوص و محبت کی بنیاد بنی۔ خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے اکابر ملت اسلامیہ کا درد، ملت کے مستقبل کی فکر اور اُمت کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کا جذبہ رکھتے تھے۔خانوادۂ علیمیہ کے اکابر بھی ان تمام اوصاف کے حامل تھے۔امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا درد اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کا خواب خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) اور خانوادہ علیمیہ کے اکابر کو اتنا قریب لے آیا کہ ہر محاذ پر کندھے سے کندھا ملائے نظر آتے ہیں۔۲۸

تحریکِ خلافت

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) اور خانوادہ علیمیہ کے اکابر نے تحریکِ خلاف میں مل کر حصہ لیا۔۱۸ جون ۱۹۲۱ء کو بلگام (کرناٹک) میں علامہ عبدالماجد بدایونی کی زیر صدارت خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ مولانا عبدالعلیم صدیقی بھی شریک تھے۔اس حوالے سے علامہ عبدالماجد بدایونی یوں رقمطراز ہیں کہ تلاوتِ قرآن کے بعد مولوی قطب الدین صدر خلافت کمیٹی بلگام نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ مولانا محمد علی نے مختصر تقریر میں میری صدارت کی تحریک کی اور مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس بھرپور تائید کی اور کہا مولانا عبدالباری اور علامہ عبدالماجد جیسے علما کی ہم کو ضرورت ہے۔۲۹

اسی کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہر نے اپنی تقریر کے بعد تجویز پیش کی۔ جس کی تائید مولانا عبدالعلیم صدیقی نے کی اس حوالے سے علامہ عبدالماجد بدایونی لکھتے ہیں کہ:

"ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا عبدالعلیم صدیقی اور دو اور لیڈران نے تائید کی اور جلسہ عام نے عہد کیا کہ ہم بھی تائید کرتے ہیں۔"۳۰

اجلاس مؤتمر اسلامی کان پور

خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) اور خانوادہ علیمیہ کے اکابر مؤتمر اسلامی کان پور کے اجلاس میں بھی ملک و قوم کی فکر مندی اور چارہ سازی کے لیے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ اجلاس ۲۱۔۲۲ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کان پور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں چھ تجاویز منظور کی گئیں۔ ان میں سے تین تجاویز کی تحریک یا تائید میں علمائے بدایوں اور خانوادہ علیمیہ کے اکابر شامل تھے۔ پہلی تجویز جو مولانا آزاد سبحانی نے پیش کی۔ اس کے تائید کنندگان میں مولانا نذیر احمد خجندی اور مولانا عبدالصمد مقتدری قادری شامل ہیں۔ دوسری تجویز مولانا محمد علی جوہر نے پیش کی۔ اس کی تائید کنندگان میں مولانا عبدالعلیم صدیقی اور مولانا عبدالصمد مقتدری قادری شامل ہیں۔ ۳۱

اس اجلاس میں ۸۸ علمائے کرام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس میں علامہ عبدالماجد بدایونی، علامہ عبدالقدیر قادری، علامہ عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالصمد مقتدری قادری، مولانا عبدالعلیم صدیقی، مولانا نذیر احمد خجندی شامل ہیں۔ ۳۲

علامہ عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالعلیم صدیقی

علامہ عبدالحامد بدایونی کے مولانا عبدالعلیم صدیقی اور ان کے فرزند مولانا شاہ احمد نورانی کے ساتھ بہت گہرے مراسم تھے۔ قومی و ملی تحریکات میں ہمیشہ ایک ساتھ نظر آئے۔ معروف سفارت کار اور ادیب نواب مشتاق احمد خاں کے علامہ عبدالحامد بدایونی کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ ایک دن دورانِ گفتگو حیدر آباد کا ذکر چل نکلا تو علامہ عبدالحامد بدایونی نے کہا مولانا عبدالعلیم صدیقی مظلوم قوموں کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ مملکتِ حیدر آباد کے مؤقف کو عالمی برادری تک پہنچانے میں ہمیں مولانا عبدالعلیم صدیقی کا تعاون حاصل ہو گا۔ اس ملاقات میں علامہ عبدالحامد بدایونی کے ساتھ مولانا عبدالعلیم صدیقی بھی موجود تھے۔ ۳۳

آل انڈیا سنی کانفرنس

علمائے اہلِ سنت کی کوششوں سے اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس کی سرزمین پر آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس کئی نشستوں پر مشتمل تھی۔ اس کانفرنس میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ مجوزہ اسلامی حکومت کے لائحہ عمل مرتب کرے۔ اس کمیٹی کے تیرہ ارکان تھے۔ اس کمیٹی میں علامہ عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالعلیم صدیقی بھی شامل تھے۔ ۳۴

آل انڈیا سنی کانفرنس میں ناظم نشر و اشاعت کے لیے علامہ عبدالحامد بدایونی کا انتخاب کیا گیا اور یہ نام مولانا عبدالعلیم صدیقی نے پیش کیا۔ یہ ان دونوں علما کے درمیان مضبوط رشتہ اخلاص اور ایک دوسرے کی صلاحیتوں پر اعتماد کی واضح دلیل ہے۔ ۳۵

دارالمبلغین بدایوں

آل انڈیا سنی کانفرنس میں ایک تجویز یہ بھی منظور کی گئی کہ موجودہ حالات کے پیش نظر ایک "دارالمبلغین" قائم کیا جائے۔ جو مدارس اور انگریزی تعلیم یافتہ طلبا کو دعوت و تبلیغ کی خصوصی تربیت دے۔ اس کے ناظم علامہ عبدالحامد بدایونی مقرر کیے گئے۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی اس کے رکن چنے گئے اور اس کا مرکز بدایوں کو بنایا گیا۔۳۶

۱۹۴۶ء کا وفدِ حجاز

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلسِ عمل نے یہ طے کیا کہ مطالبہ پاکستان کو عالم اسلام کے سامنے پیش کرنے اور عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے ایک وفد حجاز روانہ کیا جائے۔ حج کے موقع پر پورے عالمِ اسلام تک ہمارا پیغام پہنچ سکے۔ اس مقصد کے لیے ایک وفد تشکیل دیا گیا جس کے کنوینر علامہ عبدالحامد بدایونی تھے اور اس وفد میں مولانا عبدالعلیم صدیقی ایک رُکن کی حیثیت سے شامل تھے۔۳۷

دستورِ اسلامی

تقسیمِ ہند کے بعد علامہ عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالعلیم صدیقی پاکستان منتقل ہو گئے اور ساتھ ہی اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوششیں تیز کر دیں۔ کراچی میں علما و مشائخ کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ جس میں مولانا عبدالعلیم صدیقی، علامہ عبدالحامد بدایونی اور دیگر جید علما نے شرکت کی۔ علما و مشائخ نے آئینِ اسلامی کا ایک مسودہ تیار کیا۔ اس مسودے پر علما نے تائیدی نوٹ لکھے اور یہ مسودہ قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کیا گیا۔ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں مولانا عبدالعلیم صدیقی اور علامہ عبدالحامد بدایونی نے مشترکہ جدوجہد کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی یہ رشتہ اخوت ختم نہیں ہوا بلکہ مزید پروان چڑھا۔۳۸

جمعیت علمائے پاکستان

۱۹۴۶ء میں علمائے اہل سنت نے جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد ڈالی۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی اور علامہ عبدالحامد بدایونی اس کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالحسنات قادری کو مرکزی صدر، مولانا احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ جب کہ علامہ عبدالحامد بدایونی کو کراچی زون اور سندھ کا صدر نامزد کیا گیا۔ بعدازاں مرکزی صدر بھی منتخب ہوئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی بھی جمعیت علما پاکستان کے صدر رہے۔۳۹

مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالحامد بدایونی

مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالحامد بدایونی کے درمیان گہرے روابط اور تعلقات تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے جمعیت علمائے پاکستان کے ایک سرگرم رُکن کی حیثیت سے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔ محمد احمد ترازی ۱۹۵۲ء کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مولانا شاہ احمد نورانی اس زمانے میں علامہ عبد الحامد بدایونی کے نائب کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ جمعیت علمائے پاکستان سندھ کے سیکرٹری نشرو اشاعت بھی تھے"۴۰

۱۹۵۷ء کا دورۂ روس

۱۹۵۷ء میں جمعیت علمائے پاکستان کو روسی علما کی جانب سے دورۂ روس کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ علامہ عبد الحامد بدایونی نے ایک وفد ترتیب دیا۔ اس وفد کی قیادت علامہ عبد الحامد بدایونی نے کیا اور ارکان میں مولانا عبد العلیم صدیقی کے دونوں فرزند مولانا محمد جیلانی صدیقی اور مولانا شاہ احمد نورانی بھی شامل تھے۔ ۴۱

جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کی حفاظت وصیانت

جب جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کے انہدام کی مہم شروع ہوئی تو علامہ عبد الحامد بدایونی نے ان کی حفاظت وصیانت کے لیے عالم گیر مہم چلائی۔ آپ نے شرعی جواز پر ایک فتویٰ بھی مرتب کیا۔ جس پر علمائے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش (جو اس وقت مشرقی پاکستان تھا) کی تصدیقات و تائیدات حاصل کیں۔ اس عالم گیر تحریک میں مولانا شاہ احمد نورانی علامہ عبد الحامد بدایونی کے ساتھ تھے۔ اس زمانے میں مرکزی جمعیت علمائے پاکستان پر پابندی لگی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کی جانب سے ایک وفد نے ۱۹۶۱ء میں عالم عرب اور ایران کا دورہ کیا۔ یہ وفد تین ارکان پر مشتمل تھا۔ علامہ عبد الحامد بدایونی، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عمر الٰہی دہلوی شامل تھے۔ یہ سفر ۱۷ مئی ۱۹۶۱ء کو کراچی سے شروع ہوا اور ۳۰ جولائی ۱۹۶۱ء کو کراچی میں ہی ختم ہوا۔ اس وفد نے عالم اسلام کی جن اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ ان میں شہنشاہ ایران، شیخ جامعۃ الازہر مصر، نقیب الاشراف بغداد عراق، مفتی اعظم فلسطین اور شیخ عبد الوہاب شامی قابل ذکر ہیں۔ ۴۲

جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کی حفاظت وصیانت کی یہ عالم گیر تحریک علامہ عبد الحامد بدایونی اور مولانا شاہ احمد نورانی کی زندگی کا اہم کارنامہ ہے اور ان کی آپس کی محبت اور بھائی چارے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس میں ان دونوں اکابر کی نیت اور خلوص قابلِ دید اور لائق تمثیل ہے۔

خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف

خانقاہ شرافتیہ یکم جنوری ۱۹۵۱ء کو بریلی شریف کے محلہ شاہ آباد میں سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے مشہور و معروف روحانی پیشوا، حضرت مولانا شاہ شرافت علی میاں نے قائم کی۔

باہمی تعلقات

خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف کے خانقاہ قادریہ بدایوں شریف سے باہمی تعلقات چار سو سالوں پر محیط ہیں۔ برصغیر پر جب انگریزی سامراج تسلط حاصل کر رہا تھا۔ ہندوستانیوں نے بالخصوص علما نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد جاری کیا اور ان کے مقابلے

کے لیے سر میدان کفن بر دوش دارم کی عملی تفسیر بن گئے۔ ایسے عالم میں جب امام حریت علامہ فضل حق خیر آبادی نے دہلی کی جامع مسجد میں علی الاعلان ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں فتویٰ جہاد جاری کیا۔ تو جن علمانے فتویٰ کو اپنے تائیدی دستخطوں سے مزین کیا ان میں خانوادہ عثمانیہ بدایوں کے ایک عالم مولانا فیض احمد بدایونی بھی تھے۔ وہ فتویٰ لے کر بدایوں آئے مگر شہر میں حالات ساز گار نہیں تھے۔ ایسے پُر آشوب اور نازک وقت میں خانقاہ شرافتیہ کے بانی حضرت مولانا شاہ شرافت علی میاں کے جد امجد احمد یار خاں اور جھبو خاں نے مولانا فیض احمد عثمانی کو بصد اعزاز گکرالہ بلایا اور فتویٰ جہاد جاری کرنے کے لیے میدان ہموار کیا۔ بے شمار تاریخی کتابوں میں مرقوم ہے کہ فتویٰ جہاد جاری ہوتے ہی گکرالہ مجاہدین کا مرکز بن گیا تھا۔ اس کے بعد اپریل ۱۸۵۷ء میں عظیم تاریخی معرکہ گکرالہ، پیش آیا۔ باہمی تعلقات کی یہ اولین جھلک ہے۔ ۴۳

خانقاہ شرافتیہ کے بانی حضرت مولانا شاہ شرافت علی کے نانا خطیب گکرالہ مولانا غلام یٰسین خاں قادری نے مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں سے تعلیم حاصل کی۔ علامہ عبد القادر قادری عثمانی کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ خطیب گکرالہ مولانا غلام یٰسین خاں قادری کے صاحبزادے مولوی محمد طٰہٰ خاں قادری نے بھی مدرسہ قادریہ بدایوں میں درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ موصوف بانی خانقاہ شرافتیہ کے خالِ محترم ہیں اور علامہ عبد القادر بدایونی کے مرید ہیں۔

بیسوی صدی کی پہلی دہائی میں فرقہ چکڑالوی نے گکرالہ میں دستک دی۔ ان کے خوبصورت دام میں گکرالہ کے صحیح العقیدہ مسلمان بھی پھنس گئے۔ اس وقت فرقہ اہل قرآن کا ایک نمائندہ ملا محمد مسلم پنجابی چکڑالوی گکرالہ آکر سے مسحور کن خطاب کے ذریعہ خوش عقیدہ مسلمانوں کو گمراہ کر رہا تھا۔ حضرت مولانا شاہ شرافت علی میاں نے جب یہ خطرناک صورت حال دیکھی تو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ وقت و تاریخ کی تعین کے بعد آپ مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں علامہ عبد المقتدر قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے علامہ عبد الماجد بدایونی سے مشاورت کر کے دورہ حدیث کے دو طالب علم مولانا محمد غازی خاں قادری کابلی اور مولانا غلام سرور قادری پشاوری کو گکرالہ بھیجا اور چند طلبہ کو علمی معاونت کے لیے بھیجا۔ جامع مسجد گکرالہ کے سامنے "چوپال میر خاں" پر مجلس مناظرہ آراستہ ہوئی۔ بہر حال چکڑالوی نے مبہوت ہو کر راہِ فرار اختیار کی۔ اس واقعہ سے دونوں خانقاہوں کے باہمی تعلقات کا اندازبخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حکومتِ ہند نے شاہ بانو کیس میں مطلقہ کے نان ونفقہ کے تعلق سے شریعتِ اسلامیہ میں مداخلت کرنے کی کوشش کی۔ اس پر ملتِ اسلامیہ ہند سراپا احتجاج بن گئی اور پورے ملک میں جلسہ و جلوس اور احتجاج کا دور شروع ہو گیا۔ ایسے پُر آشوب دور میں خانقاہ شرافتیہ اور خانقاہ قادریہ نے مشترکہ طور پر اسلامیہ انٹر کالج بدایوں اور شمسی جامع مسجد میں احتجاجی اجلاس بلایا اس اجلاس میں عمائدینِ ملت نے شرکت کی جس میں دونوں خانقاہوں کے متوسلین نے لاکھوں کی تعداد میں شرکت کی۔ ۴۴

علامہ عبد القادر بدایونی کے عرس صد سالہ کے مناسب سے بطورِ اعلان مختلف علاقوں میں اجلاس ہوئے اس سلسلے میں آخری اجلاس ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں گکرالہ میں ہوا۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں جشنِ صد سالہ میں بھی شاہ ثقلین میاں حضور نے شرکت کی۔ ضلع

بدایوں سے بجانبِ مشرق، ضلع بریلی سے بجانبِ جنوب اور ضلع فرخ آباد سے بجانبِ مغرب کے سو گاؤں میں قادیانی جراثیم پھیلنا شروع ہو گئے تو قادیانیت کے خاتمہ کے لیے شاہ ثقلین میاں نے چند افراد پر مشتمل ایک وفد خانقاہ قادریہ کے سجادہ نشین شیخ عبد الحمید محمد سالم کے پاس بھیجا۔ شیخ عبد الحمید محمد سالم نے اُس وفد کو شیخ اُسید الحق قادری کے پاس برائے مشاورت بھیج دیا۔ گفت و شنید کا دور چلا۔ حکمتِ عملی اور لائحہ عمل کو مرتب کر کے دعوت و تبلیغ کی گئی جس کا اثر یہ ہوا کہ تقریباً ۳۴ گاؤں سے قادیانیت کا خاتمہ ہوا۔

حضرت شاہ ثقلین اکیڈمی آف انڈیا کے زیرِ اہتمام اور خانقاہ شرافتیہ کے سجادہ نشین کی سرپرستی میں ۲۶ نومبر ۲۰۱۱ء کو، مشائخ طریقت کانفرنس، بریلی شہر کے اسلامیہ انٹر کالج کے میدان میں ہوئی۔ جس میں علامہ اُسید الحق قادری، علامہ عطیف میاں قادری اور خانقاہ قادریہ کے متعدد علما و اساتذہ نے شرکت کی اور دونوں حضرات نے خطاب بھی کیا۔

۲ جمادی الآخری ۱۴۳۵ھ / ۴ مارچ ۲۰۱۴ء بروز منگل کو دل خراش و جگر سوز، ذہن و دماغ پر حزن و ملال طاری کرنے والی خبر گوش گزار ہوئی اور علامہ اسید الحق قادری کی شہادت کی خبر سے قلبی صدمہ ہوا۔ اس خبر سے برصغیر کے عوام و خواص، علما و مشائخ، فضلا و قلم کار، نوجوان دانشورانِ ملت بے چین ہو گئے۔ ہر طرف غم و اندوہ کے بادل چھا گئے۔ ہر خانقاہ حزن و ملال میں ڈوب گئی۔ ایسے دِل خراش منظر میں خانقاہ شرافتیہ بریلی شریف میں ایسی بھیڑ لگ گئی اور ایسا غمگین ماحول ہو گیا کہ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ حادثہ خانقاہ شرافتیہ میں ہوا ہو۔ تیسرے دن صاحب سجادہ کے بھائی حاجی ممتاز میاں ثقلینی اور محمد غازی میاں ثقلینی تعزیت کے لیے خانقاہ قادریہ میں حاضر ہوئے اور صاحبزادہ مولانا عزام میاں سے ملاقات ہوئی اور ۱۵ مارچ ۲۰۱۴ء کو شاہ ثقلین میاں ایک جم غفیر کے ساتھ خانقاہ قادریہ بدایوں برائے تعزیت تشریف لے گئے اور شیخ عبد الحمید سالم قادری سے ملاقات ہوئی اور نمازِ عصر خانقاہ میں ہی ادا کی گئی۔ پھر ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو علامہ اسید الحق قادری کے چہلم میں شاہ ثقلین میاں اپنے مریدین و متوسلین کے ساتھ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ ۴۵

المختصر خانقاہ قادریہ عثمانیہ (بدایوں) کے دیگر خانقاہوں اور خانوادوں سے تعلقات ہمیشہ مثالی رہے ہیں۔ جن میں خانقاہ رضویہ بریلی شریف، خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف، خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف، خانقاہِ شرافتیہ بریلی شریف اور خانوادۂ علیمیہ قابلِ ذکر ہیں۔ علوم دینیہ کے فروغ اور ملک و ملت کی خدمت کے پیش نظر خانقاہ قادریہ عثمانیہ کے مشائخ نے ہمیشہ دیگر خانقاہوں اور خانوادوں سے مل کر کام کیا ہے۔ ان تعلقات کے نتیجہ میں نہ صرف علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے مؤثر نتائج بر آمد ہوئے ہیں بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر اتحاد و یگانگت اور بھائی چارے کو فروغ ملا ہے۔ دینی و ملی خدمات کے اس مزاج اور مقصدیت کا نتیجہ تھا کہ خانقاہ قادریہ عثمانیہ کے برصغیر کی تمام خانقاہوں اور خانوادوں سے گہرے اور اخلاص آمیز مراسم استوار تھے۔ ان تعلقات کی اثر پذیری اور اثر اندازی نے دونوں جہتوں سے حق کی ترویج و اشاعت کے لیے ساز گار ماحول فراہم کیا۔

حوالہ جات

۱۔ تاج الفحول امام احمد رضا خاں کی نظر میں "فروغ احمد اعظمی، ماہنامہ مظہر حق، مدرسہ قادریہ مولوی محلہ بدایوں، خصوصی شمارہ رجب ۱۴۱۹ء اکتوبر، نومبر ۱۹۹۸ء، ص ۵۱

۲۔ ندوی، سید سلیمان، مولانا، حیات شبلی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۸ء، ص ۶۹

۳۔ تاج الفحول امام احمد رضا خاں کی نظر میں "فروغ احمد اعظمی، ماہنامہ مظہر حق، ص ۵۲

۴۔ ایضاً، ص ۵۴

۵۔ بہاری، محمد ظفر الدین، علامہ، حیات اعلیٰ حضرت، ترتیب مفتی مطیع الرحمن رضوی، اکبر بک سیلرز لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۱

۶۔ مسعود احمد، ڈاکٹر، عاشق الرسول: مولانا محمد عبد القدیر بدایونی، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۷

۷۔ تاج الفحول امام احمد رضا خاں کی نظر میں "فروغ احمد اعظمی، ماہنامہ مظہر حق، ص ۶۳

۸۔ بہاری، محمد ظفر الدین، علامہ، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۴۷

۹۔ خانقاہ قادریہ بدایوں اور خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف: تعلقات و روابط"، مولانا محمد عابد چشتی، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اپریل ۲۰۲۰ء، ج ۴۴، شمارہ ۴، ص ۲۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ خانقاہ قادریہ بدایوں اور خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف: تعلقات و روابط"، مولانا محمد عابد چشتی، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، مئی ۲۰۲۰ء، ج ۴۴، شمارہ ۵، ص ۲۹

۱۵۔ محمد قادری، احوال و مقامات، مطبوعہ دائرہ پریس چھتہ بازار حیدر آباد، س ن، ص ۱۸۲

۱۶۔ خانقاہ قادریہ بدایوں اور خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف: تعلقات و روابط"، مولانا محمد عابد چشتی، مئی ۲۰۲۰ء، ج ۴۴، شمارہ ۵، ص ۳۱

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف اور خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف: تعلقات و روابط "مولانا ڈاکٹر ارشاد عالم نعمانی، سہ ماہی مجلہ شیخ العالم ردولی شریف، فیض آباد، یو۔پی، فروری تا اپریل ۲۰۲۰ء، ج ۱، ش ۱۰، ص ۹۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۹۴

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً، ص ۹۹

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۲۷۔ ایضاً، ص ۹۲

۲۸۔ قادری، اسید الحق، علامہ، تحقیق و تفہیم، دارالاسلام لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۲۷۳

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۳۰۔ بدایونی، عبدالماجد، علامہ، المکتوب، قومی دارالاشاعت میرٹھ، ۱۹۲۱ء، ص ۱۹

۳۱۔ ایضاً، ص ۲۰

۳۲۔ ذاکر علی، سید، مختصر روئداد اجلاس مؤتمر اسلامی، مطبع مجیدی کان پور، ۱۹۳۰ء، ص ۶

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۰

۳۴۔ قادری، اسید الحق، علامہ، تحقیق و تفہیم، ص ۲۸۱

۳۵۔ قادری، جلال الدین، تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، ناشر سعید برادران کھاریاں، ۱۹۹۹ء، ص ۲۵۱

۳۶۔ ایضاً، ص ۲۶۰

۳۷۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۳۸۔ قادری، اسید الحق، علامہ، تحقیق و تفہیم، ص ۲۹۰

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۴۰۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۴۱۔ ترازی، محمد احمد، تحریک ختم نبوت صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، افق پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۳۱۲

۴۲۔ بدایونی، عبدالحامد، علامہ، تاثرات روس، مشہور آفسٹ پریس کراچی، س ن، ۱۹۵۷ء، ص ۴

۴۳۔ قادری، اسید الحق، علامہ، تحقیق و تفہیم، ص ۲۹۸

۴۴۔ مفتی فہیم احمد ثقلینی، صدر الثقلین فاؤنڈیشن قصبہ ککرالہ، استاذ جامعۃ المصطفیٰ قصبہ ککرالہ، بدایوں، مرید شاہ ثقلین میاں، زیب سجادہ خانقاہ شراقتیہ بریلی شریف۔ faheem.azhari۸۸۸@gmail.com، ۲۸ جولائی ۲۰۲۰ء، بوقت صبح ۶:۵۱

۴۵۔ ایضاً

۔۔۔۔۔۔

میانوالی کے معروف قدیم وجدید مدارس

ڈاکٹر عطاالمصطفیٰ مظہری☆

ا۔ مدرسہ اسحاقیہ گانگویہ

حضرت شاہ محمد اسحاق: مدرسہ گانگوی کے بانی

حضرت شاہ محمد اسحاق ہی مدرسہ گانگی کے بانی تھے اور کچھی کے ان علاقوں میں تدریسی روایت کے بانی بھی آپ ہی ہیں۔ آپ سے پہلے یہاں کسی دار العلوم یا مدرسہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ آپ کے لوح مزار پُر انوار پر لکھا شاہ معین الحق سنجرانی کا یہ شعر آپ کے علمی مقام و مرتبہ کی عکاسی کرتا ہے۔

شاہ اسحاق آں بحر العلوم
من ندیدم ثانیش در شام وروم

مدرسہ گانگوی کے معروف مدرسین:

حضرت شاہ محمد اسحاق تک اس سلسلہ کے چند مشہور علما کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

i۔ مولانا سید محمد عثمان شاہ:

آپ شاہ محمد اسحاق کے فرزند اکبر ہیں۔ "اذکار الفاضلین" (ص ۱۷) کے مصنف نے انھیں مفسر کچھی کے نام سے یاد کیا ہے اس لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاید قرآن حکیم کی کوئی تفسیر لکھی تھی جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔ [۱]

ii۔ مولانا سید عبدالواحد گانگوی:

آپ سید محمد عثمان شاہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ آپ خود بھی عالم تھے اور آپ کے تینوں بیٹے بھی بڑے فاضل تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ مولانا بہاؤالدین، مولانا محمد حسن اور مولانا خیر محمد

☆ محقق ودانشور، میانوالی

iii۔ مولانا بہاؤالدین گانگوی:

مولانا عبدالواحد کے بڑے بیٹے مولانا بہاؤالدین بھی اچھے عالمِ دین اور درویش صفت بزرگ تھے۔ ان کے دو بیٹے نامور ہوئے مولانا غلام علی اور مولانا اشرف علی۔[۲]

iv۔ مولانا سید غلام علی گانگوی (م ۱۸۶۷ء):

مولانا سید غلام علی مدرسہ گانگی کے صدر مدرس تھے اور آپ کے فرزند فاضلِ یگانہ سید احمد الدین گانگوی برصغیر پاک وہند میں معروف ہوئے اور مولانا گانگوی کے عرف سے مشہور ہوئے۔

v۔ مولانا سید احمد الدین گانگوی :

آپ ۱۸۶۷ء سے ۱۹۲۶ء تک مدرسہ گانگی کے صدر مدرس رہے۔ گانگی کے زیر آب آنے کے بعد آپ نے میانوالی میں جامعہ شمس العلوم گانگوی کی بنیاد رکھی۔ آپ ہی کی بدولت مدرسہ گانگی اور جامعہ شمس العلوم ہندوستان بھر میں معروف ہوا۔

vi۔ مولانا سید مقصود علی گانگوی:

آپ مولانا اشرف علی کے بیٹے اور سید احمد الدین گانگوی کے چچازاد تھے۔ آپ بھی بڑے عالم اور درویش منش انسان تھے۔

vii۔ مولانا سید امیر علی گانگوی (م ۱۹۶۴ء):

آپ سید مقصود علی شاہ کے بیٹے اور معروف محقق سید نصیر شاہ مرحوم کے والد ہیں۔ آپ کافی عرصہ تک مدرسہ گانگوی میں مدرس رہے۔ اکثر کتابیں سید احمد الدین گانگوی سے پڑھیں۔ آپ کی کتاب "تحفہ لاریب فی تقاسیم علم غیب" پر برصغیر کے نامور علماء نے تقاریظ لکھیں۔ دیگر کئی تصانیف ان کی یادگار ہیں طب وحکمت میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ سرائیکی کے بہت بڑے شاعر تھے ان کی تصانیف دینی اور طبی موضوعات پر ہیں۔ منظوم مجموعے بھی ان کی یادگاریں ہیں۔[۳]

۲۔ مدرسہ سیلواں

قدیم وشہرہ آفاق مدرسہ سیلواں، سیلواں شہر نزد کندیاں، میانوالی کی مسجد ردھانیانوالی کے ساتھ قائم تھا۔ مولانا علی محمد ہاشمی بن مولانا غلام رسول ہاشمی اس مدرسہ کے بانی تھے۔ طلبا بالعموم درختوں کے نیچے بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ سیلواں شہر کی زیادہ

آبادی "سیلو" قوم کی تھی۔ شہر کے آٹھ نمبر دار تھے ان نمبر داروں کے ذمہ طلبا کا کھانا لگا ہوا تھا۔ مولانا علی محمد ہاشمیؒ کی شخصیت کا یہ اعجاز تھا کہ سیلواں جیسی دور اُفتادہ اور گمنام بستی علم کا مرکز بن کر آسمانِ شہرت پر جا پہنچی۔ انتہائی ذہین و فطین طلبا دور دراز سے کشاں کشاں یہاں کا رُخ کرتے۔ مولانا علی محمد ہاشمی کے فرزندانِ ارجمند مولانا شیر محمد ہاشمی، مولانا غلام محمد ہاشمی اور مولانا گل محمد ہاشمی بھی مستند اور جید علما تھے جو کہ سیلواں کے مدرسہ ہی میں اپنے عظیم المرتبت والدِ گرامی کے دست و بازو تھے اور اُن کے ساتھ درس و تدریس کی ذمہ داریاں سرانجام دیتے تھے۔

مولانا ہاشمی کے فرزندان سے بھی ایک زمانے نے استفادہ کیا لیکن اس بارے میں زیادہ معلومات میسر نہیں ہیں۔ قبل ازیں مولانا علی محمد قریشی کے والد مولانا غلام رسول ہاشمی ہی تھے جنھوں نے دریائے سندھ کے کنارے سیلواں جیسی گمنام بستی میں علم دین کی شمع جلا رکھی تھی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے احکامات پہنچا رہے تھے۔ یہاں کی زندگی بھی انتہائی کٹھن تھی علاقہ دریا کی طغیانیوں کی زَد میں رہتا تھا۔ بستے اور اُجڑتے رہنے والے اس علاقے کے لوگوں کو نقل مکانی کرنا پڑتی۔ یوں اُن کی زندگیاں دریا کے پانیوں سے لڑتے لڑتے اور کسبِ معاش میں گزر جاتی۔ مولانا علی محمد ہاشمی انتہائی طاقت ور تھے۔ جوانی میں آپ نے ایک بہت بڑے پتھر کو اُٹھا کر پٹخ دیا جس پر واہ واہ مچ گئی۔ مولانا غلام رسول ہاشمی نے فرمایا "کاش میرا بیٹا اپنی اس طاقت کو دینِ اسلام کو سیکھنے کے لیے خرچ کرتا تو مجھے خوشی ہوتی"۔ [۴]

والدِ گرامی کی اس خواہش نے مولانا علی محمد ہاشمی کے من کو زخمی کر دیا۔ چناں چہ وہ اپنے والد کی اس خوبصورت تمنا کو دِل سے لگا کر اپنے بیٹے شیر محمد کو ساتھ لیے دین کی تعلیم کے لیے نکل پڑے، باپ بیٹا دونوں مختلف مدارس کی خاک چھانتے اور علم کی پیاس بجھاتے پھرے۔ کن مدارس اور مدرسین سے پالا پڑا، یہ تو معلوم نہیں لیکن مولانا علی محمد ہاشمی کی جلالتِ علمی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں مولانا احمد الدین گانگوی، مولانا نور زمان (کوٹ چاندنہ)، مولانا اکبر علی (میانوالی)، مولانا محمد حیات (مندہ خیل)، حضرت پیر غلام حسن (سواگ شریف)، مولوی حسین علی (واں بھچراں)، مولوی محمد جمال گھوٹوی شامل ہیں۔ معروف محقق، سکالر، شاعر اور ادیب سید نصیر شاہ کے والد مولانا امیر علی شاہ گانگوی بھی مولانا علی محمد ہاشمی کے شاگرد تھے۔ مولانا علی محمد مظاہری نے تاریخ میانوالی میں مولانا امیر علی شاہ کو مولانا گل محمد ہاشمی کا شاگرد لکھا ہے۔ تذکرہ علمائے پنجاب کے صفحہ نمبر ۴۶۸ پر اختر راہی یوں رقم طراز ہیں: "پیر غلام حسن نقشبندی (موضع ڈگر سواگ، کروڑ لعل عیسن، متولد ۱۲۸۵ھ /۱۸۶۸ء قریباً) خواجہ عثمان دامانی اور خواجہ محمد سراج الدین دونوں کے خلیفۂ مجاز تھے اور مولانا غلام محمد ہاشمی سیلواں کے شاگرد تھے۔ مولانا ابو سعد احمد خانؒ (خانقاہ سراجیہ /کھولہ والے) نے بھی ابتدائی عربی و صرف و نحو کی کتب مولانا عطاء محمد قریشی سیلواں سے پڑھیں۔ مولانا عطاء محمد قریشی بھی مولانا غلام رسول ہاشمی کی طرح حضرت عمر ہاشمی گھنڈی کے قریشی ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عطاء محمد قریشی تکمیلِ تعلیم کے بعد کچھ عرصہ مولانا علی محمد ہاشمی کے مدرسہ سیلواں میں پڑھاتے رہے۔ مولانا عطاء محمد قریشی حضرت خواجہ

سراج الدین دامانی علیہ الرحمہ (موسیٰ زئی شریف) کے خلیفہ تھے اور اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد ابراہیم موسیٰ زئی کے اُستاد بھی تھے۔ مولانا عطاء محمد قریشی کا مزار مبارک گھنڈی نزد کندیاں میانوالی کے قبرستان میں حضرت عمر ہاشمی علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب واقع ہے۔"[۵]

مولانا قاضی اکبر علی قریشی موضع یارو خیل متولد ۱۸۲۱ء (بن مولانا نور محمد شاہ قریشی شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) نے بھی سیلواں کے قریشی خاندان سے علم حاصل کیا۔ قاضی اکبر علی ایک جید عالم تھے اور ۱۸۶۷ء تک بنوں کی شرعی عدالت کے قاضی رہے۔ قاضی اکبر علی کے دوسرے بھائی قاضی مہر علی شاہ قریشی نے بھی سیلواں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ واضح رہے کہ مولانا نور محمد قریشی (۱۷۷۵ء/۱۸۲۹ء) حضرت شاہ عبدلعزیز محدث دہلویؒ کے پاس دہلی تشریف لے گئے تھے تو اقوام قریش سکنہ کے دو علما مولانا محمد صدیق قریشی اور مولانا غلام صدیق قریشی بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ اس بات سے سیلواں میں علم کے حصول کی روایت کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔

مدرسہ سیلواں کا قیمتی کتب خانہ:

مولانا علی محمد ہاشمی کا سیلواں میں ایک نہایت ہی قیمتی کتب خانہ تھا۔ لیکن چشمہ جھیل کے اندر آجانے کی وجہ سے کتابوں کا یہ خزانہ بروقت نکالا نہ جاسکا اور صد افسوس کہ شاندار قلمی نسخے اور دیگر کتابیں ضائع ہوگئی، علمائے سیلواں کے جمع کردہ یہ علمی نوادر اور جواہر پارے غرقِ دریا ہوگئے۔

مقدر ہو تو خاک سے پوچھو کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

مولانا علی محمد قریشی کی تاریخ وفات نہیں مل سکی اندازاً آپ کا انتقال انیسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ آپ کو بھی گھنڈی کے قبرستان میں مولانا عمر ہاشمیؒ کے مزار کے ساتھ دفن کیا گیا۔[۶]

☆ دیگر قدیم و جدید مدارس دینیہ

مدرسہ اسحاقیہ گانگویہ اور مدرسہ سیلواں کے بعد جو مدارس قائم ہوئے ان کا اجمالاً یہاں تعارف کرایا جاتا ہے۔

- مدرسہ قمریہ چکڑالہ

حضرت قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی نے ۱۲۹۸ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جلد ہی دور دراز سے علم کے حاصل کرنے والے پروانے اس شمعِ علم پر نثار ہونے کے لیے جمع ہونے لگ گئے۔ افغانستان تک کے لوگ مدرسہ اور خانقاہ کی مقبولیت و شہرت سے متاثر ہو کر جوق در جوق آنے لگے۔ ابتدائی دور میں حضرت قاضی قمر الدین تمام درجوں کے اسباق خود پڑھایا کرتے تھے۔ بعد میں جب تعداد بڑھ گئی تو ابتدائی اسباق و کتب فارغ التحصیل ہونے والے طلبا حضرات جو ظاہری علوم اور باطنی فیوضات سے منور ہو چکے ہوتے تھے ان کے سپرد فرمادیا کرتے تھے خود حضرت قاضی صاحب دورۂ حدیث شریف پڑھایا کرتے۔ عمر بھر یہی معمول مبارک رہا۔ علاقہ چوں کہ بہت وسیع تھا جہاں سے طلبا تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ نے ظاہری علوم کی اشاعت اور طریقہ عالیہ مجددیہ کے فروغ کے لیے زندگی مبارک کا لمحہ لمحہ وقف فرما رکھا تھا۔

آپ کے چند معروف تلامذہ کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) مولانا ابو سعد احمد خان، بانی خانقاہ سراجیہ (۲) مولانا محدث ولی اللہ، انہی گجرات (۳) خواجہ غلام حسن سواگ، سواگ شریف لیہ (۴) حضرت مولانا فضل علی قریشی، بانی خانقاہ مسکین پور، ضلع مظفر گڑھ (۵) حضرت مولانا سید نور الزمان شاہ، کوٹ چاندنہ (۶) حضرت پیر فضل حسین شاہ، خانقاہ پیر پہائی (۷) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتی، اٹک (۸) مولانا قاضی شمس الدین ڈھر نالوی (۹) مولانا محمد امیر، جھنڈیر جھنگ (۱۰) مولانا احمد دین کیلوی، سرگودھا (۱۱) مولانا شاہ ولایت، اٹک (۱۲) شیخ الحدیث مولانا رسول احمد برتھال، اٹک (۱۳) مولانا میاں محمد، کفری خوشاب۔

قاضی قمر الدین کے بعد آپ کے خلیفہ و جانشین قاضی کلیم اللہ محدث چکڑالوی قرار پائے جو آپ کے داماد بھی تھے۔ آپ سے بھی مدرسہ قمریہ میں درجنوں علمانے اکتسابِ فیض کیا۔ بعد ازاں یہ مدرسہ غیر فعال ہو گیا۔

جامعہ شمس العلوم گانگویہ

اس کی اولین بنیاد حضرت مولانا احمد الدین گانگوی صاحب نے رکھی تھی حضرت مولانا خواجہ اکبر علی صاحب بھی آپ کے شاگرد تھے۔ مدرسہ کو مزید فروغ ان کے فرزند مولانا غلام فخر الدین گانگوی نے دیا۔ حفظ و ناظرہ اور تجوید و قرات کے ساتھ درس نظامی تک کتب پڑھائی جاتی تھیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے عالم ملک کے طول و عرض میں موجود ہیں۔ مولانا احمد الدین اور مولانا فخر الدین کی وفات کے بعد مدرسہ میں درس نظامی کو مولانا محمد رمضان کامیابی سے چلاتے رہے، اب یہ مدرسہ غیر فعال ہے۔ خانقاہ گانگویہ کے سجادہ نشین صاحبزادہ میاں محمد نعیم الدین شاہ ہیں۔

- دار العلوم محمودیہ رضویہ پپلاں (لیاقت آباد)

ڈاکٹر لیاقت علی خان جامعہ محمودیہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

اس عظیم دینی درسگاہ کی بنیاد معروف عالم دین حضرت مولانا غلام محمود پپلانوی نے ۱۹۰۳ء میں رکھی تھی اب تک ہزاروں طلبا اس سے فیضاب ہوچکے ہیں حضرت پیر محمد کرم شاہ اور حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی جیسے فاضلین عصر مولانا غلام محمود کے شاگرد ہیں۔ حضرت مولانا کی وفات کے بعد ان کے فرزند جلیل حضرت مولانا محمد حسین شوق اس کے مہتمم تھے۔ اس ادارے کے اندر شعبہ حفظ و تجوید سے لے کر درس نظامی تک تعلیم دی جاتی۔[۷]

حضرت علامہ ریاض محمود (فرزند محمد حسین شوق) آج کل اس مدرسہ کے روح رواں ہیں۔

- **جامعہ اکبریہ بلوخیل روڈ میانوالی:**

ڈاکٹر لیاقت علی خان جامعہ اکبریہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اسے حضرت مولانا محمد اکبر علیؒ نے ۱۹۰۳ء میں قائم کیا تھا پہلے اس کا نام مدرسہ اسلامیہ لخدام غوثیہ تھا۔ حضرت خواجہ محمد اکبر علی کی وفات کے بعد ان کے فرزند جلیل حضرت مولانا غلام جیلانی اس کے مہتمم ہوئے اور مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا اب اس کا نام جامعہ اکبریہ رکھا گیا۔ مولانا غلام جیلانی کے بعد ان کے فرزند صاحبزادہ عبد الملک اس کے مہتمم ہیں۔[۸]

جامعہ اکبریہ در حقیقت جامعہ گانگویہ کی ہی علمی روایت کا تسلسل ہے۔

- **دار العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ واں بھچراں**

مولانا گانگوی اور خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی خواہش پر نواب ملک مظفر خان نے یہ مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ کے پہلے مدرس مولانا گانگوی کے تلمیذ مولانا غلام یٰسین واں بھچروی مقرر ہوئے۔ جو بیس سال سے زائد عرصے تک اس مدرسہ کے روح رواں رہے۔ یہاں ان سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا عطا محمد بندیالوی، مولانا غلام فخر الدین گانگوی اور مولانا مفتی محمد حسین شوق پپلانوی جیسے افاضل شامل ہیں۔ بعد ازاں مسلکی اختلافات کی بنیاد پر آپ مدرسہ سے الگ ہوگئے۔ بعد کے مدرسین میں مولانا شیخ الحدیث اللہ بخش شامل تھے۔ جن سے ہزاروں علمانے اکتساب فیض کیا۔ ان کے بعد اس کے مہتمم مولانا محمد ابراہیم سیالوی رہے اور اب ان کے وصال کے بعد ان کے فرزند مولانا محمد سعید سیالوی چلا رہے ہیں۔[۹]

- جامعہ حسینیہ، واں بھچراں

مولانا حسین علی نے واں بھچراں کے مقام پر یہ مدرسہ قائم کیا اور کم و بیش ۶۰ سال کے عرصہ کی تعلیم و تربیت سے سینکڑوں علمانے ان سے اکتساب علم کیا۔ بعض مشہور تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔ ☆مولانا عصام الدین بھودی ☆مولانا غلام رسول انہی، ضلع گجرات ☆مولانا عبد العزیز، گوجرانوالہ ☆مولانا نصیر الدین غور غشتی ☆مولانا محمد امیر بندیالوی ☆مولانا یار محمد، ملتان ☆مولانا شاہ نور محمد، کشمیری ☆مولانا قاضی نور محمد ☆مولانا میاں احمد، میانوالی ☆مولانا محمد قاسم، مظفر گڑھ ☆مولانا غلام اللہ خان ☆مولانا نذر شاہ ☆مولانا سر فراز خان گکھڑوی ☆مولانا عنایت اللہ شاہ، گجراتی ☆صوفی عبد الحمید، سواتی ☆مولانا طاہر پنج پیری[۱۰]

- جامعہ عربیہ تبلیغ الاسلام موتی مسجد، میانوالی

اس کے بانی مولانا محمد رمضان صاحب فاضل دیوبند تھے۔ مولانا محمد رمضان نے اکثر درسی کتب مولانا اکبر علی چشتی سے پڑھیں۔ بعد ازاں دار العلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔ انھوں نے سیاسی و سماجی و مذہبی تحریکات میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کے بعد مولانا عبد الجلیل مدرسہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ مولانا عبد الجلیل کی وفات کے بعد صاحبزادہ عبید اللہ جواد مدرسہ چلا رہے ہیں۔ طلبا کی کافی تعداد ہر سال فارغ التحصیل ہوتی ہے۔

- دار العلوم تعلیم القرآن جامع مسجد میاں سلطان علی میانہ

مولانا محمد امیر صاحب مرحوم اور مولانا عطا محمد صاحب مرحوم نے اسے شروع کیا تھا۔

- جامعہ قاسم العلوم، بلوخیل

قدیمی مدرسہ ہے ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا۔ اس وقت اس کے مہتمم مولانا علی محمد مظاہری تھے ابتدا میں معروف نابینا عالم حضرت مولانا حافظ احمد صاحب بھی مظاہری صاحب کے ساتھ تدریس میں شریک رہے وہ فوت ہو گئے تو مولانا مظاہری صاحب نے خود سب کچھ سنبھال لیا۔ طلبہ کے لیے سات کمرے ہیں رہائش اور خوراک کا انتظام ہے۔ حفظ و ناظرہ، تجوید و قرات کے ساتھ درسِ نظامی بھی پڑھایا جاتا ہے مدرسہ سے ملحق بہت بڑی لائبریری ہے۔[۱۱]

- جامعہ شمس صدیقیہ رضویہ جامع مسجد شمس الدین

اس کے بانی اور مہتمم مولانا شیخ الحدیث میاں محمد صاحب تھے اور اب مولانا ضیاء اللہ بھوروی اس کے مہتمم ہیں۔

- جامعہ غوثیہ واحدیہ، میانوالی

یہ نئے مدارس میں شامل ہے۔ اس کے مہتمم مولانا منصور شاہ اویسی ہیں۔

- **جامعہ فیضان مدینہ، میانوالی**

کچھ عرصہ قبل دعوتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مدرسہ میں حفظ و ناظرہ اور درس نظامی کی کلاسز جاری ہیں۔

- **منہاج القرآن اسلامک سنٹر، میانوالی**

ادارہ منہاج القرآن کے زیر انتظام یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ جہاں حفظ و ناظرہ اور سکول کی تعلیم دی جاتی رہی۔ اب یہ مدرسہ غیر فعال ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص ۴۸
۲۔ ایضاً
۳۔ سید نصیر شاہ، مہتاب رتوں میں آوارگی، ص ۱۳
۴۔ سید طارق مسعود، تاریخ اولیاء میانوالی، ص ۱۱۶
۵۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۶۔ ایضاً، ص ۱۳۸
۷۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص ۲۷۰
۸۔ ایضاً، ص ۲۶۸
۹۔ ایضاً، ص، ۲۶۹)
۱۰۔ مولانا حسین علی، بلغۃ الحیران، ص ۴
۱۱۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص، ۲۷۰

☆☆☆☆

وفائے غیور، مولانا عبد الغفورؒ

علامہ محمد ریاض بھیروی☆

گویا کہ آپ جانے کے تمام راستے بند کر کے یہاں آئے تھے، استادِ محترم یہاں ٹھہرے تو بس یہیں کے ہو رہے۔ ۱۹۷۹ء کے سورج نے انھیں یہاں آتے تو دیکھا تھا بھر ۴۲ برس گزر چلے مگر انھیں پلٹ کر جاتے نہ دیکھ سکا۔ بالآخر ۲۰۲۱ء کی ایک شب سروشِ اجل نے نزول کیا اور اس نعمتِ خلد کو اپنی قدسی باہوں میں سمیٹ کر اس ابد آباد درِ محبوبِ جاودانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وفا کی اس ادا پہ درو دیوار سے سدا آئی:۔

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے

رہِ یار ہم نے قدم قدم ، تجھے یادگار بنا دیا

پیکرِ وفائے غیور، مولانا عبد الغفورؒ ۱۹۵۸ء میں خطۂ عالماں، شہر حکیماں واں بھچراں میں میانہ نام سے موسوم حافظوں، عالموں اور حکیموں کے ایک معروفِ جہاں خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ اسی شجرِ پُر نور کی عبد اللہ خیل نامی شاخ کے ایک گلِ سرسبد تھے۔ جب کہ معروف متکلم عالم میاں حسین علی واں بھچروی اسی خانوادے کی معلم خیل شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ چناں چہ اپنے ہی گھروں کی چار دیواریوں میں علما و فضلا کی کوئی کمی نہ تھی۔ آپ کے والدِ گرامی، داداجان، جدِ امجد فاضلین ہندوستان تھے۔ خانوادہ کے چند دیگر نمایاں علما و حکما اور حفاظ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

حکیم حافظ محمد عبد اللہؒ، حکیم حافظ محمد افضلؒ، حکیم حافظ محمد زکریاؒ، علامہ الحافظ محمد الیاسؒ، مولانا حافظ امام الدینؒ، مولانا حافظ عبد المنافؒ، غلام محمد میانہؒ وغیرہ۔ چناں چہ گھر گھر علم کی مسندیں بچھی تھیں۔ لہٰذا ابتدائی فارسی کتب گھر میں اپنے والدِ گرامی حضرت مولانا حافظ حکیم عبد الحقؒ سے پڑھیں جو کہ فاضلِ ہندوستان تھے۔ طب و دیگر علوم کی اکثر کتبِ لکھنو اور دہلی میں رہ کر پڑھیں، سادات دندہ شاہ بلاول سے شرفِ بیعت رکھتے تھے۔

استادِ گرامی فراغت کے معاً بعد ایک سال جامعہ انوار باہو (بھکر) میں صدر مدرس کے طور پر پڑھاتے رہے بعد ازاں

☆ فاضل علومِ اسلامیہ، میانوالی

۱۹۷۹ء تا ۲۰۲۱ء مسلسل ۴۲ سال جامعہ اکبریہ، میانوالی میں گزار کے، "وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے۔" کی مجسم و حسین تعبیر بن گئے، دو ہم مکتب اور ہم استاد دوستوں، مولانا عبد الغفور اور صاحبزادہ عبد المالک کی روحانی محبتوں کا یہ ٹھہراؤ اور رچاؤ کسی افسانوی داستان سے کم نہیں۔

استادِ محترم تدریساً خیر آبادی تھے۔ اِس طریقۂ تدریس میں مطالعۂ سبق طرفین یعنی معلم و متعلم دونوں پر لازم ہوتا ہے، دورانِ کلاس سبق کا بارِ فہم اور اظہارِ فہم متعلم کی ذمہ داری ہوتی ہے، معلم صرف سنتا ہے اور متعلم کی اغلاط کی اصلاح کرتا ہے اس طریقۂ تدریس کا خاصہ یہ ہے کہ کتاب کے اختتام پر متعلم خود اُسی کتاب کا معلم بن چکا ہوتا ہے۔ استادِ محترم مدت العمر اپنے خیر آبادی اساتذہ (امام المناطقہ استادِ کبیر علامہ حافظ عطاء محمد بندیالویؒ اور ابو الفتح علامہ اللہ بخش واں بھچروی) کے طریقۂ تدریس پر کاربند رہے۔ اپنے طلبا کے ساتھ آپ کی محبت و شفقت بھی دیدنی ہوا کرتی تھی۔ کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ آپ نے عمر بھر کسی بھی طالبعلم کو درس سے خارج نہیں کیا۔ شائق طلبا سے عربی میں گفتگو فرماتے۔ آپ اپنے طلبا کو تین طرح کی کتب پڑھانے کے متمنی رہتے۔ (۱) معقولی و منقولی کتب (۲) طب و حکمت کی کتب (۳) تصوف کی کتب۔

بالفاظ دیگر آپ اپنے طلبا کو بیک وقت عالم، حکیم اور صوفی بناتے تاکہ طلبا کو علمی زندگی میں دوسروں کا دست نگر ہونے سے اور فکرِ معاش سے بچایا جاسکے۔

استادِ محترم مزاجاً جھیلگوں تھے، ٹھہراؤ، رچاؤ اور بساؤ سے معمور، سادہ منش، درویش صفت، باہمت، باوقار، پاکیزہ افکار، جاندار، وفادار، استوار، ہمہ دم جستجو، شفیق و متین، پیکرِ جمال و کمال، یکتا و بے مثال، محبت کو بکو، شفقت سو بسو، علما و طلبا کی آبرو، اپنی ذات میں منفرد، اپنی مثال آپ، لب تبسم خیز، لہجہ نرم رو، چال گویا کہ موج آبزار، سراپا اتقا، بے خوف و ریا، یادگارِ اسلاف، وقار اخلاق، شہرت و اشتہار کے بخار سے کوسوں دور، شوقِ گمنامی سے معمور، تدریس کی دنیا کے در و دیوار میں بند۔ استاد العلما صاحبزادہ عبد المالک صاحب ہر سال فہمائش کرتے کہ آپ ہی کے طلبا فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ سٹیج پر تشریف لے آیا کریں مگر آپ فرش نشین ہی رہتے۔ ایک ایسا خاک نشین جو خاک نشیں ہوتے ہوئے بھی بھی آفاق نشین دکھائی دیتا۔

وے صورتیں الٰہی اب کس دیس بستیاں ہیں

وہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

آپ کے شاگردوں کی تعداد حدِ شمار سے ماورا ہے، چند تلمیذانِ رشید کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

(۱)مولانا فیض محمد چشتی،(۲)مولانا منظور عالم سیالوی(۳)پیر سید سراج الزمان شاہؒ(۴)پیر سید نور الزمان شاہ(۵)پیر سید قمر الزمان شاہ (۶)پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال(۷)مولانا محمد علی اعظمی(۸)مولانا اللہ وسایا ارشد(۹)مولانا نور احمد قادری اچھڑی(۱۰)مولانا بشیر احمد میروی(۱۱)مولانا فتح خان چشتی(۱۲)مولانا محمد اسحاق، فیصل آباد(۱۳)محمد ریاض بھیروی(۱۴)عطا المصطفیٰ مظہری۔

وصال وجنازہ:

۲۳اگست ۲۰۲۱ء بروز سوموار کرونا وائرس کی وجہ سے آپ کا انتقال پر ملال ہوا۔ آپ کا جنازہ آبائی گاؤں ناڑی میانہ والی داخلی واں بھچر اس حضرت مولانا محمد عبد المالک نے پڑھایا، نمازِ جنازہ میں کثیر تعداد میں علما و مشائخ اور مدارس کے طلبا شریک ہوئے اور آپ کو اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں اپنی تعمیر کردہ مسجد کے ملحق ناڑی میانہ میں دفن کیا گیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

☆☆☆☆

مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی

علامہ محمد سعید قادری☆

قد ذھب الناس ومات الکمال

وصاح صرف الدھر این الرجال

فتح جنگ شہر ضلع اٹک میں قاضی خاندان کے چشم وچراغ دنیائے علم وادب کے آفتاب، مسند تدریس کے عظیم شاہسوار، معدن علم وحکمت کے گوہر بار، تدبر آشنافقیہہ، العلماء ورثۃ الانبیا کے حقیقی مصداق، جامع العلوم، فیض یافتہ حضرت خواجہ میروی، استاذ العلماحضرت علامہ مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی نوراللہ مرقدہ کی ولادت حضرت علامہ مولوی قاضی محسن کے ہاں فتح جنگ ضلع اٹک میں ہوئی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ضلع اٹک اور مضافات کے علمی مراکز میں سے جو سب سے معروف تھے گڑھی افغاناں شریف، مکھڈ شریف اور بھوئی گاڑ شریف تینوں عظیم درسگاہوں میں حاضری دی اور وقت کے جید شیوخ سے اکتسابِ فیض کیا۔[1]

علوم ظاہرہ میں کمال حاصل کرنے کے بعد علوم باطنہ میں ابھی تشنگی باقی تھی ضلع اٹک تحصیل پنڈی گھیب کی عظیم دینی و روحانی خانقاہ آستانہ عالیہ میرا شریف کے عظیم صوفی بزرگ خواجہ خواجگان، قدوۃ السالکین، عمدۃ الراسخین حضرت خواجہ احمد میروی کی خدمت میں حاضری دی ولی کامل کے چہرے پر پہلی نگاہ ہی نے آپ کو خواجہ میروی کا گرویدہ بنادیا۔

ایں دل کہ رم نمودی از خوبر و جواناں

دیرینہ سال پیر بردش بہ یک نگاہے

کہ میرا دل جو خوبصورت جوانوں سے بھاگتا تھا ایک بوڑھا بہ یک نظر اس کو قیدی بنا کر لے گیا۔

مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور حضرت خواجہ میروی کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اس طرح آپ سے محبت اور غلامی کا حق ادا کیا کہ مدت قلیل ہی میں آپ کے مریدینِ خاص میں شمار ہونے لگا اور حضرت خواجہ میروی کے منظورِ نظر بن گئے۔[2]

یہاں تک کہ حضرت خواجہ فخر الدین بیربلوی جو حضرت خواجہ میروی کے خلفا میں سے تھے وہ مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی کے بارے میں فرمایا کرتے۔

از نگاہش پاک شد از عیب و شین

فتح جنگی مولوی نور حسین حضرت خواجہ میروی کی نگاہ سے مولوی نور حسین فتح جنگی ہر عیب اور برائی سے پاک ہوگئے۔[3]

☆ فاضل علومِ اسلامیہ، محلہ گلزارِ مدینہ، داخلی سروالہ، اٹک

مولوی قاضی فتح جنگی اکثر حضرت میروی کی خدمت میں حاضری دیتے اور حضرت خواجہ میروی آپ کو اکثر سفروں میں اپنے ساتھ رکھتے اسی مہربانی اور صحبت فیض رساں نے آپ کو عالمِ ربانی کے درجہ پر فائز کر دیا۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

آپ نے علومِ ظاہرہ وباطنہ کی تحصیل کے بعد فتح جنگ کی قدیمی مرکزی جامع مسجد میں امامت وخطابت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ فتح جنگ کی وہی قدیمی مرکزی جامع مسجد ہے۔ جس کا سنگِ بنیاد حضرت خواجہ احمد میروی نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا پھر بعد میں اس مسجد کو شہید کر کے دوبارہ تعمیر کیا گیا اس وقت اس کا سنگِ بنیاد نورِ چشم حضرت اعلیٰ گولڑوی حضرت پیر سید غلام محی الدین گولڑوی المعروف قبلہ بابو جی سرکار نے ۲۲ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۵۴ء کو اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔۴

آپ کے پاس اس مسجد میں دور دراز دیہاتوں سے متلاشیانِ علم وحکمت حاضر ہوتے اور آپ کے دستر خوانِ علم سے خوشہ چینی کر کے فیضیاب ہوتے۔ آپ کے معروف تلامذہ میں سے استاذ العلما حضرت علامہ مولوی فضل حق قریشی کریموی ساکن موضع کریمہ نزد جھنگ باہتر، تحصیل فتح جنگ، اٹک تھے۔ جن کی پیدائش ۱۹۰۵ء کو ہوئی۔ وقت کے عظیم عالم، مدرس، شیخ القرآن والحدیث والفقہ تھے اور ۱۹۶۴ء سے وفات تک اپنے استاد محترم مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی کی قدیمی مرکزی جامع مسجد فتح جنگ میں خدمات دینیہ سرانجام دیں۔ آپ کی وفات ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی آپ کو اپنے آبائی گاؤں کی جامع مسجد کے ایک کونے میں حکیم الامت حضرت علامہ مولوی محمد یوسف کے ساتھ سپردِ خاک کیا گیا۔

حضرت خواجہ میروی کے دوسرے خلیفہ اور آستانہ عالیہ میراشریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ فقیر عبداللہ میروی نے بھی آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا آپ کی پیدائش ۱۳۱۵ھ میں چکڑالہ ضلع میانوالی میں ہوئی۔ وقت کے عظیم عالم اور مردِ کامل بزرگ تھے آپ کے دورِ سجادگی میں درگاہِ معلیٰ نے بہت ترقی کی۔ اپنی تمام زندگی دربار شریف کے درویشوں کی خدمت میں صَرف کر دی۔ آخر ۸۰ سال کی عمر میں ۲ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ کو وصال فرمایا اور حضرت خواجہ میروی کے روضہ کے اندر مدفون ہوئے۔۵

فتح جنگ کے حضرت علامہ مولوی خیر محمد نے بھی آپ سے شرف تلمذ کیا اور پھر تاحیات فتح جنگ کی جامع مسجد مولوی خیر محمد (جو انھی کے نام سے معروف ہے) میں خدماتِ دینیہ سرانجام دیتے ہوئے اس دنیا سے وصال فرمایا۔۶

آپ نے حضرت خواجہ میروی کے مناقب وحالات پر ایک جامع کتاب بنام "بشارۃ الابرار فی مناقب حضرت خواجہ احمد میروی صاحب اسرار" تصنیف فرمائی۔

اٹک شہر کے معروف محقق چودھری غلام محمد المعروف نذر صابری (م-۱۱ دسمبر ۲۰۱۳ء) اپنی نوٹ بک میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اصل کتاب حضرت علامہ مولوی محمد نواز کی تھی جو مشکل اور مرصع اسلوب میں تھی جب کہ حضرت میروی کی گفتگو بہت سادہ ہوا کرتی تھی آپ سادہ فارسی کو پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی نے اس کی تسہیل اور ترمیم کی اور یہ حضرت سجادہ نشین (حضرت ثانی خواجہ احمد خان سجادہ نشین اول میرا شریف) کے حسبِ فرمائش ہوا"۔[7]

آپ کی مذکورہ تصنیف اس وقت کم یاب و نایاب ہیں اس کے چند نسخے راقم کی معلومات کے مطابق ضلع اٹک کے جن کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں سے آستانہ عالیہ میرا شریف کا کتب خانہ جس میں دو نسخے موجود ہیں۔ آستانہ عالیہ کھڈ شریف میں کتب خانہ محمد علی کھڈی میں ایک نسخہ، کتب خانہ راجہ نور نظامی ٹیکسلا، ضلع اٹک میں ایک نسخہ، جامعۃ الکوثر H-8 اسلام آباد میں حضرت علامہ محمد آفتاب حسین الجوادی کے ذاتی کتب خانہ میں ایک نسخہ اور ضلع اٹک کے عظیم مصنف و نقاد ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کے ذاتی کتب خانہ میں ایک نسخہ موجود ہے۔[8]

مذکورہ تصنیف ۸۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ "ذکرِولی" کے نام سے علامہ سید کرم شاہ آف چوآسیدن شاہ چکوال کو کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی طرح آپ فتویٰ نویس بھی تھے اور اس وقت کے علما کسی مسئلے پر فتویٰ دیتے تو باقی اجل علما اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر کے اس فتوی کی تصدیق فرماتے۔

آپ نے استاذ العلما و الاولیا مصنف کتبِ کثیرہ حضرت علامہ مولوی قاضی غلام گیلانی شمس آبادی علاقہ چھچھ ضلع کیمبل پور حال اٹک کی تصنیف لاثانی بنام "حق الايضاح في شرطية الكفو للنكاح" یونیورسل پریس، لاہور سے ۱۳۳۴ھ کو طبع ہوئی اس میں مواہیر علمائے علاقہ چھچھ وغیرہ ضلع اٹک کے تحت مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی نے بھی مہر ثبت کر کے اس کتاب کی تصدیق فرمائی ہے۔[9]

"القول الصائب في عدم جواز الصلوة على الميت الغائب" جس کو حضرت علامہ مولوی محمد امین نے تالیف فرمایا اور دی لاہور کوآپریٹو سٹیم پرنٹنگ پریس، وطن بلڈنگ، لاہور سے ۱۳۴۶ھ میں طبع ہوئی۔

اس پر بھی آپ نے الجواب الصحیح۔ نور حسین فتح جنگی بقلم خود تحریر کر کے اس مسئلہ کی تصدیق فرمائی کہ حنفیوں کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔[10]

مجموعۃ الاستفتاء جس کو حضرت علامہ مولوی عبد اللہ ہاشمی سکنہ بھکر، ضلع میانوالی نے تصنیف فرمایا اور یہ جارج پریس، میانوالی سے چھپا۔ اس مجموعہ میں ایک استفتاء بنام "خير الكلام في وظيفة الامام" ہے ۱۵ شعبان ۱۳۴۲ھ کو لکھا گیا اس میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی کہ امام مسجد کی معاش وغیرہ اخراجات کی ذمہ داری مقتدیوں کو لازمی اور ضروری ہے۔

اس پر حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت علامہ مولوی محمد غازی گولڑوی، مولانا غلام محمد پشاوری، مولانا غلام مرتضیٰ میانوی، مولانا سعید اللہ کے علاوہ مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی کی الجواب الصحیح کے ساتھ تصدیق موجود ہے۔ [۱۱]

مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی عالم، مدرس، مفتی اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ فتح جنگ کے گرد اور نکاح خوان بھی تھے۔ [۱۲]

راجہ بازار راولپنڈی کی قدیمی مرکزی جامع مسجد جو قبلہ اول مسجد اقصیٰ کی مکمل شبیہ ہے جس کی دیواریں اور چھت سب منقش ہیں اس کا سنگِ بنیاد ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں رکھا گیا اور ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو تکمیل ہوئی۔ اس کی تقریب سنگِ بنیاد میں قطب الاقطاب، مجدد دوران، حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، خواجۂ خواجگاں تاجدارِ میرا شریف حضرت خواجہ احمد میروی اور آپ کے شریکِ سفر مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی بھی شامل تھے۔ [۱۳]

حضرت خواجہ احمد میروی اور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی آپس میں گہری محبت تھی اسی محبت کی بنا پر حضرت میروی آپ کو "لالو" کہہ کر بلاتے جو بزبان پنجابی بھائی کے مترادف ہے۔ ایک مرتبہ حضرت میروی کی گولڑہ شریف میں تشریف آوری ہوئی اس کی وجہ سخت صیغہ راز میں تھی۔ صرف حضرت ثانی میروی اور حضرت استاد صاحب فتح جنگی المعروف قاضی نور حسین صاحب پر راز منکشف تھا وہ بھی بتاکید اخفا۔ اسی موقع پر نمازِ مغرب حضرت خواجہ میروی کے مئوقف کے مطابق دیر سے پڑھی گئی۔ [۱۴]

مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی نے شیخ محمد دلاور خان المتخلص بیدل پشاوری چشتی نظامی میروی کے دیوان بنام "سوزِ بیدل" جو ۱۹۳۲ء میں پشاور سے طبع ہوا۔ اس پر عربی میں تقریظ لکھی تھی وہ تقریظ درج ذیل ہے۔

الحمد لله الذی ما اعظم شانه واجلی برهانه والصلوة علی سید والسلام علی اولاده واحبابه اما بعد فانی قد رایت الدیوان المسمٰی به" سوزِ بیدل" فوجدت فی اشعاره ما یغنی الاذان عن سماع غیرها بنها تکنسی نوراً و تروح القلب وتزداد عبوراً فاروع فیها من خیالات لطیفة لمثلها تشتاق قلوب الشعراء وتمیل الیها اطباع الادباء وانی حسنت الدیوان المذکور فرزقه الله المقبول اعلیٰ یوم النشور هذا نهایة المامول وغایة للمسول و حسبی الله و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیاں اور تین بیٹے عطا فرمائے۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام قاضی محمد جان تھا جو عظیم عالم، مدرس، اور مفتی تھے۔ والدِ گرامی کی وفات کے بعد فتح جنگ کی قدیمی مرکزی جامع مسجد میں امام و خطیب رہے۔ قریباً ۱۶ سال اس مسجد میں خدماتِ دینیہ سر انجام دیں۔ ۱۹۶۴ء میں وفات پائی اور فتح جنگ میں بھٹے والا قبرستان میں مدفون ہوئے۔ دوسرے بیٹے کا نام قاضی محب النبی تھا دینی و دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سٹیشنری کی دُکان تھی۔ اسی دکان میں مولوی نور حسین کی چند کتب بھی تھیں ایک مرتبہ آگ لگنے سے سب جل کر خاک ہو گئیں۔

تیسرے بیٹے کا نام مولوی قاضی محمد طیب تھا جو فتح جنگ میں گھر کے قریب جامع مسجد " ملاجیون لوہار والی" میں امامت اور تدریسِ قرآن کرتے رہے۔ [۱۶]

مفتی قاضی محمد جان صاحب کی زوجہ محترمہ بی بی نیک بخت جو واقعی اسم با مسمیٰ تھیں، فرماتی تھیں ایک مرتبہ مدتِ دراز سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی شروع ہو گئی تو مولوی قاضی نور حسین فتح جنگی نمازِ استسقاء کے لیے سب افراد کو لے کر باہر نکلے چوں کہ اس وقت ہندو بھی یہاں رہتے تھے تو وہ مولوی صاحب کو دیکھ کر بطورِ مذاق کہنے لگے کہ مصلحوں کا امام بارش لینے کے لیے جارہا ہے مگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا آپ نے سب کو نمازِ استسقاء پڑھائی ہی تھی کہ اچانک بادلوں نے پورے شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا اور خوب بارش ہوئی جس کی وجہ سے ہندوؤں کو اپنی بات پر سخت پشیمانی ہوئی اس کے بعد وہ بھی مولوی صاحب کی تعظیم اور ادب کیا کرتے تھے۔ ۱۷

آپ کا کتب خانہ بڑا وسیع تھا۔ کچھ کتب جل گئیں کچھ مختلف علما کے ہاتھ لگ گئیں اور باقی ماندہ تقریباً آج سے ۲۰ سال قبل جامعۃ الکوثر H-۸ اسلام آباد میں حضرت علامہ محمد آفتاب حسین الجوادی نے خرید کر اپنے ذاتی کتب خانہ میں شامل کر لیں جو آج بھی ان کے پاس اچھی حالت میں محفوظ ہیں۔ ۱۸

آپ کی وفات ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۸ء بروز بدھ کو ہوئی۔ نمازِ جنازہ کی امامت آپ کے تلمیذِ خاص استاذ العلما مفتی اعظم حضرت علامہ مولوی فضل حق قریشی کریموی نے کی اور آپ کو فتح جنگ شہر میں "کھوڑ روڈ" سے مشرق کی جانب بھٹے والا قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ۱۹

مولانا عبد الرحمن سرہالوی نے آپ کا قطعۂ تاریخ یوں کہا۔

ربنا غفر لنور حسین ۲۰

۱۹۴۸ء

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ماخذ و مراجع

۱۔ تاریخ و تذکرہ خانقاہ فاضلیہ گڑھی شریف، راجہ نور نظامی۔ ۲۰۱۷ء

تذکرہ علمائے اہلسنت ضلع اٹک، مولانا حافظ محمد اسلم رضوی، ۲۰۱۹ء

۲۔ سہ ماہی انوارِ رضا "خواجہ احمد میروی نمبر" "خانقاہ میروی سے فیض یافتہ علمائے کرام" صاحبزادہ محمد فاروق احمد میروی ۲۰۰۸ء

۳۔ فیضان میروی، مرتبہ: پروفیسر نصر اللہ معینی

۴۔ مختصر تعارف قدیمی مرکزی جامع مسجد فتح جنگ (کتبہ جو مسجد کے اندر لگا ہوا ہے)

۵۔ سہ ماہی انوار رضا، خواجہ احمد میروی نمبر
۶۔ بروایت قاضی خالد جمیل قریشی (پوتا قاضی نور حسین فتح جنگی)
۷۔ قلمی (عکسی)، مخزونہ کتب خانہ محمد علی کھڈی کھڈ شریف
۸۔ راقم کی تحقیق
۹۔ حق الایضاح فی شرطیۃ الکفو للنکاح۔ قاضی غلام گیلانی شمس آبادی، یونیورسل پریس، لاہور، ۱۳۳۴ھ
۱۰۔ القول الصائب فی عدم جواز الصلوۃ علی المیت الغائب، مولوی محمد امین، لاہور ۱۳۴۶ھ، مخزونہ مخدومہ امیر جان لائبریری، گوجر خان
۱۱۔ مجموعۃ الاستفتاء، مولوی عبداللہ ہاشمی بھکر، ۱۳۴۲ھ، مخزونہ علامہ محمد آفتاب حسین الجوادی (کتب خانہ) جامعۃ الکوثر، اسلام آباد
۱۲۔ بشارۃ الابرار، قاضی نور حسین فتح جنگی
۱۳۔ بروایت صاحبزادہ محمد فاروق احمد میروی
۱۴۔ انوار رضا (سہ ماہی)، خواجہ احمد میروی نمبر
۱۵۔ سوزِ بیدل، بیدل پشاوری چشتی نظامی میروی، ۱۹۳۲ء
۱۶۔ بروایت قاضی خالد جمیل قریشی (پوتا قاضی نور حسین فتح جنگی)
۱۷۔ بروایت قاضی خالد جمیل قریشی (پوتا قاضی نور حسین فتح جنگی)
۱۸۔ بروایت علامہ محمد آفتاب حسین الجوادی جامعۃ الکوثر، اسلام آباد
۱۹۔ راقم کی تحقیق
۲۰۔ قلمی نوادرات قاضی عبدالرحمن سرہالوی، مخزونہ الفرید لائبریری، شکردرہ (اٹک)

☆☆☆☆

علامہ عطاء محمد بندیالوی: احوال وآثار

حامد رضا چشتی☆

شجرہ نسب:

آپ کا سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے حضرت قطب شاہ جدِ اعلیٰ قبیلہ قطب شاہی اعوان جب کہ ۳۸ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے۔[۱]

برصغیر پاک وہند میں حضرت علی کی وہ اولاد جو حضرت فاطمۃ الزہرا کے بطنِ مبارک سے ہے سید کہلاتی ہے جب کہ آپ کی غیر فاطمی اولاد علوی اور قطب شاہی اعوان کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ تخصیص صرف برصغیر میں ہے۔ دیگر اسلامی ممالک میں حضرت سیدۃ النساء کی اولاد ساداتِ فاطمی اور دیگر ازواج کی اولاد ساداتِ علوی کہلاتی ہے۔[۲]

اسم مبارک، لقب وکنیت:

آپؒ کا اسم گرامی عطاء محمد، لقب معروف "امام المناطقہ" ہے، اس کے علاوہ ان القابات سے بھی آپ کو یاد کیا جاتا ہے۔ ملک المدرسین، بحر العلوم، استاذالکل، شیخ العرب و العجم، جامع المعقول والمنقول، علم و عمل کے زیور سے آراستہ فقیہہ زمانہ، کلامی، فلسفی، محدث اور بلا مبالغہ امام المناطقہ تھے۔ آپؒ گولڑوی اور بندیالوی کی نسبت سے معروف ہوئے۔ جب کہ ضلع خوشاب میں واقع بستی "پدھراڑ" کے جائے ولادت ہونے کی وجہ سے پدھراڑوی بھی لکھا جاتا ہے۔ علامہ غلام مہر علی "الیواقیت المہریہ" میں آپ کا تذکرہ اِن الفاظ میں کرتے ہیں۔

> العلامة الجليل النبيل رئيس المناطقه راس الفلاسفة بدرالاساتذه سدر الجهابزه العلامة الحافظ عطاء محمد البدهراڑوی۔[۳]

☆ ایم فل علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

سنِ ولادت وجائے ولادت:

آپؒ کا سنِ پیدائش مولانا شاہ حسین گردیزی کے مطابق ۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۷ھ مگر بقول مولانا عبد الحکیم شرف قادری اور نذر حسین چشتی کے ۱۹۱۶ء ہے۔ جب کہ علامہ بندیالوی نے بذاتِ خود ماہنامہ "ندائے اہلسنت" کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنی سن پیدائش ۱۹۱۶ء ذکر فرمائی تھی۔[۴]

سن ولادت کے اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی رقمطراز ہیں۔

> استاذالکل مولانا عطاء محمد چشتی کی پیدائش مولانا سید شاہ حسین گردیزی کے مطابق ۱۹۱۸ء، ۱۳۳۷ ہجری میں ہوئی مگر فاضل لاہوری مولانا عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی نے آپ کی سن پیدائش ۱۹۱۸ء کے بجائے ۱۹۱۶ء لکھا ہے میں نے شاہ حسین گردیزی سے کراچی فون کر کے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے ۱۹۱۶ء کی تصدیق کی۔[۵]

آپؒ کی جائے ولادت اور جائے مدفن ڈھوک دھمن پدھراڑ ضلع خوشاب ہے۔

والدِ گرامی کا جذبہ دینی:

آپ پانچ بھائی تھے۔

۱۔ ملک شیر محمد اعوان ۲۔ ملک فتح محمد اعوان ۳۔ ملک غلام محمد اعوان

۴۔ ملک عطاء محمد اعوان ۵۔ ملک علی محمد اعوان[۶]

آپ کے والدِ گرامی ملک اللہ بخش کی خواہش تھی کہ ان کے تمام فرزند حافظِ قرآن ہوں لیکن ان میں سے دو نے حفظ قرآن اور علومِ دینیہ میں کمال حاصل کیا۔ علامہ عطاء محمد بندیالوی اور آپ کے چھوٹے بھائی علامہ علی محمد پدھراڑوی۔

علامہ علی محمد پدھراڑوی نے علومِ دینیہ کی اکثر کتب کی تکمیل استاذالکل مولانا عطاء محمد بندیالوی سے اور دورۂ حدیث شریف بریلی جا کر محدثِ اعظم مولانا سردار احمدؒ سے کیا۔ جب کہ سید جلال الدین شاہ بھکی شریف، مولانا محمد نواز کیلانوی جیسے اجلہ علما آپ کے ہم درس تھے۔ آپ نے ۳۴ سال کی مختصر عمر میں انتقال فرمایا۔ اس کے برعکس علامہ عطاء محمد بندیالوی نے طویل عمر پائی اور کثیر تلامذہ یادگار علم کے طور پر چھوڑے۔

تحصیلِ علم:

آپؒ نے حافظ الٰہی بخشؒ سے تین سال کے عرصے میں قرآنِ پاک حفظ کیا جب کہ مولانا قاضی محمد بشیرؒ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں کریما، نام حق پڑھیں۔ ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا یار محمد بندیالوی کی خدمت میں بندیال حاضر ہوئے اور سات سال کے عرصے میں صرف ونحو اور فقہ کی مختلف کتابوں کے علاوہ اصولِ فقہ کی "حسامی" اور منطق کی "قطبی" وغیرہ پڑھیں بعد ازاں علامۂ زماں حضرت مولانا مہر محمد کی خدمت میں اچھرہ لاہور چلے گئے۔ آپ دو سال "جامع فتحیہ، اچھرہ" میں رہے اور حضرت علامۃ العصر مولانا مہر محمدؒ سے مختصر المعانی، مطول، ملا حسن، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح عقائد خیالی اور امورِ عامہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، ان ہی سے حدیث میں مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف پڑھی۔ چھ ماہ موضع انہی (گجرات) میں مولانا غلام رسول سے منطق وفلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں پھر لاہور واپس آکر مولانا محب النبیؒ سے شمس بازغہ اور شرح عقائد خیالی پڑھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے بھیرہ میں فاضل اجل مولانا غلام محمودؒ پپلانوی سے تصریح، شرح چغمینی وغیرہ پڑھیں۔

حدیث اور فقہ کی سند:

۱۹۴۸ء میں حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑویؒ کے ساتھ بغداد شریف حاضر ہوئے اس موقع پر جامع امامِ اعظم (بغداد شریف) کے خطیب حضرت علامہ مولانا شیخ عبد القادر آفندیؒ سے حدیث اور فقہ کی سند حاصل کی۔

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ بندیالوی خود رقمطراز ہیں۔

> راقم سطور نے حضرت مولانا شیخ عبد القادر آفندی کے سامنے صحاحِ ستہ کی تمام کتب سے اول اور آخر کی احادیث تلاوت کیں اور علامہ آفندی سے صحاحِ ستہ کی اجازت حاصل کی، علامہ آفندی نے وعدہ فرمایا کہ کتبِ فقہ کی سند بھی تحریر کر دوں گا چنانچہ حسبِ وعدہ انہوں نے سندِ فقہ بھی عنایت فرمائی۔[۷]

اساتذہ:

مندرجہ ذیل اساتذہ سے آپ نے اکتسابِ علم کیا۔

۱۔حافظ الٰہی بخش ۲۔مولانا قاضی محمد بشیر ۳۔مولانا یار محمد بندیالوی(م۱۹۴۷ء) ۴۔مولانا مہر محمد اچھروی
۵۔مولانا غلام رسول ۶۔مولانا محب النبی(م۱۹۷۶ء) ۷۔مولانا غلام محمود پپلانوی(م۱۹۴۸ء)

علامہ عطاء محمد بندیالوی: تدریسی خدمات

علامہ عطاء محمد بندیالوی بلا مبالغہ بیسویں صدی میں خیر آبادی طریقۂ تدریس کی آبرو قرار پائے۔اِس پہلو کا ذکر اسید الحق بدایونی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری کے تلامذہ میں ایک اہم نام مولانا یار محمد بندیالوی کا بھی ہے جن کے شاگرد ملک المدرسین مولانا عطاء محمد بندیالوی ہوئے، آخری دور میں مولانا عطاء محمد بندیالوی مدرسہ خیر آباد کی آبرو قرار پائے۔ آپ کے شاگرد مولانا شاہ حسین گردیزی نے صحیح لکھا کہ خیر آباد کی جانشینی کا ادعا آپ ہی کو زیب دیتا ہے،لاریب علم کے اس دور انحطاط میں آپ کا وجود مسعود خیر آباد کا روشن چراغ ہے۔ گزشتہ تیس چالیس برس میں پاکستان کے علمی اُفق پر جتنے بھی آفتاب و ماہتاب درخشاں نظر آتے ہیں۔ان میں سے اکثر کا علمی شجرہ نسب مدرسہ بندیال تک پہنچتا ہے۔[۸]

علامہ شرف قادری آپ کے وصف تدریس کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

> موجودہ دور کے شیخ رئیس، خیر آبادی فضلاء کے علمی جانشین، مہر عالَم تاب حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے مرید صادق حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی بابوجیؒ کے منظورِ نظر مرید استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطاء محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی وہ یکتائے روزگار مدرس ہیں۔ جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مسند تدریس کو زینت بخشی اور اہلِ سنت و جماعت کو لائق اور محنتی مدرسین کی بہت بڑی جماعت فراہم کی حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے مدارس، آپ ہی کے فیض یافتہ مدرسین کی بدولت آباد ہیں اور اس معاملے میں پورے ملک میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں ہے، پوری قوم ان کے احسانات کے بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔[۹]

تدریسی خدمات:

علامہ بندیالوی نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک مسندِ تدریس کو زینت بخشی اس عرصہ میں مختلف مدارس میں تدریس فرماتے رہے۔ مندرجہ ذیل مقامات پر آپ نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

مدرسہ فتحیہ اچھرہ، لاہور۔	دو سال
حزب الاحناف، لاہور۔	ایک سال
مدرسہ اسلمیہ رانیال اور جلع حصار۔	ایک سال
مدرسہ محمدیہ، بھیرہ (ضلع سرگودہا)	تین سال
دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف، سرگودہا	آٹھ سال
جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف، اسلام آباد	ایک سال
دارالعلوم کھڈ شریف (ضلع اٹک)	تین سال
دارالعلوم محمدیہ بھکی شریف	تین سال
دارالعلوم وڑچھہ شریف ضلع خوشاب	دو سال
دارالعلوم حامدیہ، کراچی	تین سال
جامعہ مظہریہ امدایہ بندیال، ضلع خوشاب	بائیس سال۔[۱۰]

مفتی محمد خان قادری نے آپ کو مجدد تدریس قرار دیا ہے اس عنوان کے تحت آپ کے اوصافِ تدریس کو بیان کرتے ہوئے مفتی محمد خان قادری لکھتے ہیں۔

> آج مدارس اور مدرسین کی حالت سے آگاہ شخص جانتا ہے کہ علوم وفنون کی تدریس میں کس قدر کمی وزوال آچکا ہے۔ اصولِ فقہ میں نورالانوار اور حسامی، منطق میں شرح تہذیب اور قطبی نحو میں کافیہ وشرح جامی سے آگے کوئی نہیں پڑھتا۔ بلکہ یہاں تک بھی کوئی خال خال ہی پہنچتا ہے۔ حضرت کا یہ امتیاز رہا کہ انہوں نے اب تک بھی قاضی مبارک، میر زاہد ملا جلال اور

خیالی کا درس جاری رکھا۔ ہم نے بڑے بڑے مدرسین کو دیکھا وہ طلبہ کی عدم محنت سے بوجھل ہو کر بڑے اسباق کی تدریس چھوڑ دیتے ہیں مگر حضرت کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر استقامت عطاء فرمائی تھی کہ انہوں نے دورانِ علالت بھی ایسے اسباق جاری رکھے۔"

تلامذہ وتصنیفات:

استاذالعلما سے بے شمار علمانے اکتسابِ فیض کیا۔ چند مشہور تلامذہ کے اسما درج ذیل ہیں۔

۱۔ خواجہ محمد حمید الدین سیالوی (سجادہ نشین) سیال شریف

۲۔ پیر سید شاہ عبد الحق (گولڑہ شریف)

مولانا سید محمود احمد رضوی (شارح بخاری شریف)

۴۔ شیخ الحدیث غلام رسول رضوی شارح (بخاری)

۵۔ مولانا غلام رسول سعیدی (شارح بخاری و مسلم)

۶۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری

۷۔ صاحبزادہ محمد عبد الحق بندیالوی

۸۔ ڈاکٹر ابوالخیر زبیر

۹۔ پیر محمد اشرف قادری (کھرپیڑ شریف)

۱۰۔ صاحبزادہ سردار احمد کھرپیڑ شریف

۱۱۔ علامہ محمد اشرف سیالوی

۱۲۔ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

۱۳۔ سید غلام حبیب شاہ (وڑچھہ شریف)

۱۴۔ سید انوار الحسن شاہ (وڑچھہ شریف)

۱۵۔ پروفیسر حافظ محمد اجمل سابق پروفیسر، گورنمنٹ کالج لاہور

۱۶۔ صاحبزادہ محمد فضل حق بندیالوی

۱۷۔ ڈاکٹر معین نظامی

۱۸۔ صاحبزادہ محمد اسماعیل الحسنی

۱۹۔ صاحبزادہ محمد عبد الرحمن الحسنی

۲۰۔ مولانا صاحبزادہ عبد المالک

۲۱۔ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

۲۲۔ صاحبزادہ غلام حمید الدین معظمی

۲۳۔ مولانا اللہ بخش

۲۴۔ فخر المدرسین مولانا غلام محمد تونسوی

۲۵۔ شیخ الحدیث پیر محمد چشتی

۲۶۔ علامہ مولانا فضل سبحان قادری

۲۷۔ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی
۲۸۔مفتی علی احمد سندھیلویؒ
۲۹۔ قاضی محمد مظفر اقبال رضوی
۳۰۔مفتی گل احمد عتیقی
۳۱۔ شیخ الحدیث محمد یعقوب ہزاروی
۳۲۔مفتی محمد رفیق الحسنی
۳۳۔حضرت علامہ شاہ حسین گردیزی
۳۴۔مفتی محمد اصغر سیالوی
۳۵۔مفتی محمد سرفراز قادری
۳۶۔مولانا محمد ناظر سیالوی
۳۷۔علامہ مولانا گل محمد سیالوی
۳۸۔مفتی محمد فضل الرحمن
۳۹۔مفتی حسین علی
۴۰۔مفتی محمد یعقوب معینی
۴۱۔مفتی محمد ابراہیم قادری
۴۲۔مولانا جمال الدین شاہ کاظمی رحمہ اللہ، خواجہ آباد
۴۳۔مولانا عبد الرشید قمر، لیکچرار گورنمنٹ کالج فیصل آباد
۴۴۔مولانا محمد نواز الحسنی، لیکچرار اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
۴۵۔علامہ مولانا مفتی محمد طیب ارشد
۴۶۔مفتی عطاء محمد متین صاحب
۴۷۔مفتی محمود حسین شائق
۴۸۔مولانا فیض علی گردیزی
۴۹۔مولانا محمد عبد اللہ جھنگوی
۵۰۔مولانا محمد شریف الحسنی
۵۱۔علامہ نذر حسین چشتی
۵۲۔شیخ الحدیث مولانا عبد الغفور سیالوی[۱۲]

علامہ بندیالوی کی تصانیف:

علامہ عطاء محمد بندیالوی نے بہت سی معرکۃ الآراء تحقیقی کتب یادگار چھوڑیں ہیں۔اس کے علاوہ بہت سے مقالات بھی لکھے۔ان میں سے زیادہ تر کتب کا تعلق فقہ اسلامی سے ہے۔علامہ بندیالوی نے اپنے مخصوص اسلوبِ تحریر میں فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ سے استخراج کر کے جدید فقہی مسائل کی شاندار روایت ڈالی ہے۔

علامہ بندیالوی کی تصنیفات کی فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

۱۔سیف العطاعلیٰ اعناق من طغیٰ واعرض عن دین المصطفیٰ
۲۔رویت ہلال کی شرعی تحقیق
۳۔دیت المراۃ
۴۔مسئلہ حاضر وناظر: القول السدید فی بیان معنیٰ الشاہد والشہید
۵۔قوالی کی شرعی حیثیت
۶۔عقیدہ اہلسنت
۷۔اسلام میں عورت کی حکمرانی
۸۔امامتِ کبریٰ اور اس کی شرائط
۹۔درس نظامی کی ضرورت اور اہمیت: (مقالہ)
۱۰۔صرف عطائی (فارسی منظوم)
۱۱۔سفرنامہ بغداد (۱۹۴۸ء)
۱۲۔تحقیق ایمان ابو طالب
۱۳۔التحقیق الفرید فی تراکیب کلمۃ التوحید
۱۴۔قدم غوثِ اعظم اور فضائل اہلبیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم
۱۵۔تحقیق وقتِ افطار
۱۶۔ماہ صیام اور باجماعت نمازِ وِتر
۱۷۔مسئلہ سود
۱۸۔اذان سے قبل اور بعد درود شریف کا حکم
۱۹۔نظامِ عدل اور فقہ حنفی (مقالہ)
۲۰۔انبیائے کرام اولیاء کرام اور الہامی کتابوں کے پیروکاروں میں سے کسی ایک کی توہین اور اس کی سزا کا حکم
۲۱۔حدود کی سزاؤں کے نفاذ کے لیے عورتوں کی شہادت کا حکم
۲۲۔ایکٹ اشٹام کی شرعی حیثیت
۲۳۔جہاد کی اہمیت
۲۴۔سیاہ خضاب
۲۵۔تصویر کی شرعی حیثیت
۲۶۔مسئلہ علم غیب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
۲۷۔مسئلہ نور و بشر
۲۸۔شانِ ولایت
۲۹۔مسئلہ کذب
۳۰۔اسلامی تعلیمات کے لیے ایک لائحہ عمل
۳۱۔انشورنس اور بیمہ کمپنیوں کی شرعی حیثیت

۱۔ سیف العطا علیٰ اعناق من طغیٰ واعرض عن دین المصطفیٰ :

یہ کتاب نکاح سیدہ با غیر سید کے سلسلہ میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے مشہور فتویٰ کی تشریح اور شریعت میں اس نکاح کے حکم کا بیان ہے۔ یہ کتاب ۴۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے علامہ بندیالوی لکھتے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں گولڑہ شریف عرس مبارک حضرت غوثِ اعظم پر ایک نام نہاد مفتی نے بر سرِ منبر یہ دعویٰ پیش کیا۔ غیر سید ہاشمی ہو یا قریشی، سیدہ فاطمہ کی کفو نہیں ہے اس لیے ان دو کے درمیان نکاح جائز اور منعقد ہی نہیں ہوتا۔ خواہ یہ نکاح سیدہ کے ولی اقرب کی اجازت ورضامندی سے ہو یا بغیر رضامندی۔ لہٰذا سیدہ کے غیر سید سے نکاح کی صورت میں تعلقاتِ زوجیت زنا کے زمرہ میں داخل ہوں گے ۔ علامہ بندیالوی فرماتے ہیں یہ نظریہ شریعتِ محمدی کے ساتھ مذاق ہے لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ اس من گھڑت نظریہ کو پیر مہر علی شاہ کی طرف منسوب کیا گیا۔ علامہ بندیالوی لکھتے ہیں کہ ان حالات کے بعد ضروری ہو گیا کہ اس اہم مسئلہ کی صحیح شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے اور پیر مہر علی شاہ کے دامنِ اَطہر سے اتہام کے اس ناپاک داغ کو دھویا جائے۔ اس کتاب میں علامہ بندیالوی نے یہ ثابت کیا ہے کہ سیدہ کا نکاح غیر سید سے ہو سکتا ہے۔

۲۔ رویتِ ہلال کی شرعی تحقیق :

اس کتاب کا پورا نام مہر انوار در تحقیق صوم وافطار ہے اور یہ کتاب ۲۲۹ صفحات پر مشتمل ہے ۔ یہ علامہ بندیالوی کی وقیع اور متہم بالشان کتاب ہے جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھا جائے اور چاند دیکھ کر عید الفطر منائی جائے۔ محض رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان معتبر نہیں ہے۔ اور اس مسئلے میں اس وقت کے چیئر مین رؤیت ہلال کمیٹی جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ بندیالوی کتاب کی ابتدا میں رقمطراز ہیں۔

> میری ۴۴ سالہ یہ تحقیق ہے کہ محض ریڈیو کی اطلاع پر عید الفطر منانا خلافِ کتاب وسنت اور خلافِ اجماع اہل سنت ہے۔ کیوں کہ عید الفطر باتفاق آئمہ دین حقوق العباد سے ہے اور اس میں نفع دنیاوی ہے تو جیسے حقوق العباد بغیر شہادت ثابت نہیں ہوتے۔ عید الفطر بھی بغیر شہادت ثابت نہیں ہوتی۔ شرع شریف میں ایسی کوئی نظیر نہیں ہے کہ ریڈیو جیسی غائبانہ آواز سے حقوق العباد ثابت ہوں اور جس طرح حقوق العباد کے اثبات کے لیے ہر مرحلہ پر شہادۃ ضروری ہے اسی طرح عید الفطر اور ہلال فطر کے اثبات کے لیے بھی ہر مرحلہ پر شہادۃ ضروری ہے اور یہ بدیہی امر ہے۔ کیوں کہ عید الفطر ہر ایک انسان کے حقوق سے ہے نہ کہ

صرف ایک شہر والوں کے حقوق سے ہے۔لہذا ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ عید الفطر اس کے نزدیک شہادت سے ثابت ہو اور یہ دعویٰ نری جہالت ہے کہ صرف ایک جگہ اور ایک شہر (جہاں چاند نظر آ گیا) میں فطر کے لیے شہادت ضروری ہے اور جہاں چاند نظر نہیں آیا ان لوگوں کے نزدیک عید الفطر کے لیے شہادت ضروری نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک غائبانہ آواز کافی ہے کہ فلاں جگہ چاند نظر آ گیا ہے۔لہذا سب لوگ عید الفطر منائیں۔"[13]

۳۔ دیت المراۃ:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے فقہ حنفی اور جمہور فقہائے حنفیہ کی کتب سے یہ ثابت کیا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

۴۔ مسئلہ حاضر و ناظر: القول السدید فی بیان معنیٰ الشاہد والشہید:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے حضورِ اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق اپنے نظریات کو ثابت کیا ہے۔

۵۔ قوالی کی شرعی حیثیت:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے قوالی کا جواز ثابت کیا ہے۔اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے علامہ بندیالوی لکھتے ہیں میری نظر سے ایک مراسلہ گزرا جس میں مشائخِ کرام کے سماع اور قوالی کو حرام لکھا گیا ہے اور حد یہ ہے کہ مشائخ کی مجالس سماع میں شامل ہونے والے کے پیچھے نماز کو بھی منع کیا گیا ہے۔مزید فرماتے ہیں غنا کے بارے میں میرا دعویٰ دس اجزا پر مشتمل ہے۔

۱۔ مشائخ صوفیا کے نزدیک غنا مزامیر کے ساتھ ہو یا کہ بغیر مزامیر کے نہ تو مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔

۲۔ غنا مع مزامیر مخصوص دنوں میں مثلاً عید اور نکاح وغیرہ میں مباح ہے بل کہ مخصوص دنوں میں غنا مع المزامیر سے انکار خلافِ سنت ہے۔

۳۔ غنا کہ حرمت پر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور جن سے حرمت معلوم ہوتی ہے وہ سب حدیثیں غیر صحیح ہیں۔

۴۔ غنا کا جواز دَف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بل کہ جس آلہ سے کیا جائے مباح ہے۔

۵۔ فقہائے کرام کی غنا کے بارے میں تشدید حکمت زجر پر مبنی ہے۔

۶۔ آئمہ اربعہ سے امام مالک اور شافعی احمد بن حنبل سب غنا سنتے تھے اور آئمہ احناف سے امام ابویوسف اور داؤد طائی بھی سنتے تھے اور ابو حنیفہ سے غنا کے ممنوع ہونے پر کوئی نص صریح نہیں ہے۔ بل کہ آپ کے بعض تلامذہ نے آپ کے ایک قول سے اس مسئلے میں کراہت مستنبط کی ہے۔

۷۔ غنا جو کہ فواحش سے خالی ہو۔ عام ازیں کہ مزامیر کے ساتھ ہو یا بغیر مزامیر کے صحابہ کرام سے لے کر تابعین، تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین تک مجالسِ غنا میں حاضر ہوتے تھے۔

۸۔ غنا کے جواز میں جو شرائط کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔ شرائطِ جواز اور یہ شرائط بھی متفق علیہا نہیں ہیں۔ غنا مع المزامیر میں اختلافِ صوفیہ کے ماسوا میں ہے اور غنا صوفیا تو بالاتفاق مباح بل کہ مستحب ہے۔

عرب کا غنا جس میں فحش اور منکر قول نہیں ہے بالاجماع جائز ہے تو جس غنا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے مقبولوں کی تعریف ہو وہ بھی بالاجماع جائز ہے خواہ مزامیر کے ساتھ ہو یا کہ بغیر مزامیر کے جیسا کہ شیخ الاسلام کی عبارت میں تصریح موجود ہے اور یہی مروجہ قول ہے جس سے مانعین کو انکار ہے۔ حالاں کہ یہ قول شعارِ دین سے ہے جیسا کہ علی قاری کی عبارت میں تصریح موجود ہے۔ کیوں کہ لاکھوں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اس میں کثرت سے علما و صلحا ہوتے ہیں اور قوالی سن کر ان پر رقت طاری ہوتی ہے۔

۹۔ عقیدۂ اہلسنت:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے جنازے میں شرکت کے متعلق اپنا مؤقف بیان کیا ہے کہ ایک سنی شیعہ کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکتا۔

۸۔ امامت کبریٰ اور اس کی شرائط:

یہ رسالہ جماعت اہلسنت نے کراچی سے شائع کیا۔ اس میں علامہ بندیالوی نے ذکر کیا ہے کہ شرعی امام میں کن کن شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اگر امام میں شرعی شرائط پائی جائیں تو ٹھیک ہے۔ اگر امام میں شرعی شرائط نہ پائی جائیں تو ہماری موت جہالت کی موت ہے۔

۹۔ درس نظامی کی ضرورت اور اہمیت: (مقالہ)

اس مقالہ میں علامہ بندیالوی نے درس نظامی کی اہمیت پر خوب روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۔ صرف عطائی (فارسی منظوم):

علامہ بندیالوی کی زمانہ طالب علمی (۱۹۴۷ء) کی تحریر ہے جس میں صرف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

۱۱۔ سفر نامہ بغداد:

علامہ بندیالوی نے ۱۹۴۸ء میں حضرت خواجہ غلام محی الدین چشتی گولڑوی کے ہمراہ تقریباً ایک سو افراد کے قافلے کے ساتھ بغداد شریف کا سفر کیا تھا۔ یہ کتاب اسی سفر کی دل رُبا روائیداد ہے۔

۱۲۔ تحقیق ایمانِ ابو طالب:

علامہ بندیالوی نے علامہ صائم چشتی کی کتاب "ایمانِ ابو طالب" پر ایک مقدمہ تحریر کیا جو بعد ازاں ایک مستقل رسالے اور مقالے کے طور پر شائع ہوا۔ اہلِ سنت میں سے بہت کم علما ایمان ابو طالب کے قائل رہے، بعض سکوت اور بعض عدم ایمان کے قائل رہے۔

۱۳۔ التحقیق الفرید فی تراکیبِ کلمۃ التوحید:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر مکمل بحث فرمائی ہے اور کلمہ کی ترکیب بیان فرمائی ہے۔ آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ کلمہ توحید میں لفظ الا یہ استثناء کے لیے ہے۔

۱۴۔ قدم غوثِ اعظم اور فضائلِ اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم

دراصل اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے ایک رسالہ بنام شانِ محبوبیت کا رَد کیا ہے۔

۱۵۔ تحقیق وقتِ افطار:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے وقتِ افطار کے متعلق بیان کیا ہے۔

۱۶۔ ماہ صیام اور باجماعت نمازِ وتر:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے رمضان مبارک میں نمازِ عشاء کے فرض جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے تو یہ آدمی نمازِ وتر باجماعت ادا کر سکتا ہے۔

۱۷۔ مسئلہ سود:

اس اہم مسئلہ پر علامہ بندیالوی نے تحقیق کی ہے اور بلا سود بنکاری پر بھی بحث کی ہے۔

۱۸۔ اذان سے قبل اور بعد درود شریف کا حکم:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے قرآن و سنت کی روشنی سے واضح کیا ہے کہ اذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا جائز ہے اور اس کا قرآن و حدیث میں ثبوت موجود ہے۔

۱۹۔ نظامِ عدل اور فقہ حنفی (مقالہ):

اس رسالے میں امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہ حنفی پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۰۔ حدود کی سزاؤں کے نفاذ کے لیے عورتوں کی شہادت کا حکم:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے حدود کی سزاؤں کے نفاذ کے لیے عورتوں کی شہادت کا حکم بیان کیا ہے۔

۲۱۔ اسٹامپ ایکٹ کی شرعی حیثیت:

اس رسالے میں علامہ بندیالوی نے سٹامپ ایکٹ کی شرعی حیثیت واضح کی ہے۔

۲۲۔ جہاد کی اہمیت:

یہ مضمون علامہ بندیالوی نے اس وقت تحریر کیا۔ جب امریکہ نے ۱۹۹۰ء میں عراق پر حملہ کیا اور ناحق مسلمانوں کا خون بہایا۔ اس پر علامہ بندیالوی نے یہ مضمون تحریر فرمایا اور جہاد کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔

۲۳۔ سیاہ خضاب:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے سیاہ خضاب کے جواز پر تحقیق کی ہے۔

۲۴۔ تصویر کی شرعی حیثیت:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے تصویر کی شرعی حیثیت کو واضح کیا ہے۔

۲۵۔مسئلہ علم غیب:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

۲۶۔مسئلہ نور وبشر:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے حضور اکرم ﷺ کے نور ہونے پر دلائل پیش کیے ہیں۔

۲۷۔شانِ ولایت:

اس رسالہ میں علامہ بندیالوی نے قرآن وسنت کی روشنی میں اولیائے کرام کے مقام کو واضح کیا ہے۔

حواشی

۱۔نذر حسین چشتی، ذکرِ عطاء فی حیاتِ استاذ العلماء، استاذ العلماء اکیڈمی، خوشاب، ص۱۰

۲۔محمد سرور خان اعوان، تاریخِ اعوان، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص۱۳۰

۳۔غلام مہر علی، علامہ، الیواقیت المہریہ

۴۔گردیزی، شاہ حسین، تجلیاتِ مہر انور، گولڑہ شریف، مکتبہ مہریہ ص۹۵۶

۵۔نوشاد عالم چشتی، ڈاکٹر، استاذ الکل مولانا عطاء محمد چشتی، ماہنامہ جام نور، ستمبر ۲۰۱۱، ص۲۵

۶۔نذر حسین چشتی، ذکرِ عطاء فی حیات استاذ العلماء، ص۵۲

۷۔عطاء محمد بندیالوی، علامہ، سفر نامہ بغداد، استاذ العلماء اکیڈمی خوشاب، ص۱۶

۸۔اسید الحق بدایونی قادری، خیر آبادیات، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور ص۳۷

۹۔عبدالحکیم شرف قادری، علامہ مقدمہ سیف العطاص، ص ا

۱۰۔عبدالحکیم شرف قادری، علامہ، مقدمہ سیف العطا، ص ۴۔۳

۱۱۔مکتوب بنام ڈاکٹر ابوالخیر زبیر

۱۲۔مکتوب بنام ڈاکٹر ابوالخیر زبیر

۱۳۔مکتوب بنام ڈاکٹر ابوالخیر زبیر

☆☆☆☆

علمائے اکبریہ کی تصنیفی خدمات: مختصر جائزہ

شگفتہ جبین☆

مولانا محمد اکبر علی بن مولانا غلام حسین بن محمد عثمان بن مولانا میاں محمد الیاس بن خدایار بن میاں محمد عبد اللہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء موجودہ ضلع میانوالی کے شہر میانوالی (سابقہ ضلع بنوں کے علاقہ بلوخیل) میں پیدا ہوئے۔ مولانا اکبر علی کے اساتذہ میں صدر العلماء قاضی القضاۃ، مولانا احمد الدین گانگوی فرنگی محلی، مولانا سید نور الزمان شاہ کوٹ چاندنہ اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نمایاں ہیں۔ معقولات و منقولات کی اکثر کتب مدرسہ اسحاقیہ گانگویہ میں سید العلماء مولانا احمد الدین گانگوی سے پڑھیں۔ پھر مولانا گانگوی کے ہی تلمیذ رشید مولانا سید نور الزمان شاہ، کوٹ چاندنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے ازاں بعد سند فراغ کے لیے دار العلوم دیوبند کا رخ کیا۔

تحصیلِ علوم کے بعد بہت سے دروازے آپ کے لیے کھلے تھے، بیشتر مدارس میں آپ تعلیم و تدریس کا شوق پورا کر سکتے تھے، پوری تعظیم و تکریم بھی ہوتی اور مشاہرہ بھی ملتا لیکن آپ کا فیصلہ ہی تھا کہ اپنے آبائی شہر ہی کو مرکزِ تعلیم و تدریس بنایا جائے، چناں چہ میانوالی تشریف لائے اور محلہ زادے خیل کی چھوٹی سی مسجد میں امامت و خطابت سنبھالی، ساتھ ہی حلقہ درس قائم فرمایا۔ ۱۹۰۶ء میں قطبِ دوراں حضرت خواجہ احمد میروی چشتی کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے اور سلوک کی تمام منازل شیخ کامل کی براہِ راست نگرانی میں طے کیں۔ ۱۹۰۷ء میں آپ کو خلافت چشتیہ میرویہ سے نوازا گیا۔ غوثِ زماں حضرت پیر سید مہر شاہ گولڑویؒ نے بھی سلسلہ قادریہ کی اجازت مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا۔

مولانا اکبر علیؒ کو حضرت غوث الاعظمؒ کی ذاتِ بابرکات سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ فنا فی الغوث تھے آپ نے اپنے دونوں فرزندوں مولانا غلام جیلانی (۱۹۰۹-۱۹۸۴) اور مخدوم غلام ربانی (۱۹۲۲-۱۹۹۳) کے نام بھی نسبتِ غوثیہ سے رکھے، مدرسہ کا نام بھی مدرسہ اسلامیہ لخذام غوثیہ رکھا اور اپنے لنگر کا نام بھی لنگرِ غوثیہ پسند و تجویز فرمایا۔ جلد ہی آپ کی جلالت علمی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ طلبا تحصیلِ علوم اور عوام و خواص تحصیلِ فیوض کے لیے جوق در جوق آپ کی بارگاہِ ناز میں حاضر ہونے لگے۔ مدرسہ میں مولوی شہباز خان (فاضل دیوبند)، مولانا احمد خان روکھڑی (فاضل سہارن پور)، مولوی میاں محمد میروی (فاضل سہارن پور) اور مولانا چراغ علی جیسے فاضل تدریس پر مامور تھے، حضرت خواجہ محمد اکبر علی خود حدیثِ پاک اور مثنوی شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

ایم فل (علوم اسلامیہ)، امپیریل یونیورسٹی، لاہور

علمِ حدیث میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا اور ایک ایک حدیث پر سند و متن اور روایت و درایت کے اعتبار سے انتہائی مدلل بحث فرماتے تھے۔ آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

☆خواجہ خواجگان حضرت بابا عبد الغفور دریوی دریائے رحمت شریف، اٹک

☆حضرت مولانا الحافظ غلام جیلانی

☆حضرت مولانا میاں فضل احمد گیلانی

☆حضرت علامہ عبد الکریم چشتی

☆مظہر الاولیاء حضرت حافظ پیر محمد مظہر قیوم، پپلاں شریف

☆مولانا قاضی نور احمد ڈھبوی، ڈھبہ شریف، تحصیل تلہ گنگ، چکوال

☆حافظ مولانا عبد الحسیب، مدرسہ حفظ القرآن، مسجد لوہاراں وڑچھہ، خوشاب

☆مولانا نذر محمد قریشی جامع مسجد فوجیاں، بھکر

☆مولانا گل محمد میرا شریف، ضلع اٹک

☆مولانا قریشی امیر احمد، ٹبہ قریشیاں

☆مولانا محمد اکبر خان روکھڑی، ضلع میانوالی

☆مولانا قریشی نیک محمد دلیوالی، ضلع میانوالی

☆مولانا صوفی کرم علی، فیصل آباد

☆مولانا غلام حیدر شاہ دلیوالی، میانوالی

☆مولانا حافظ محمد خان، چکڑالہ

☆مولانا محمد اولیاء خان، لیٹی

☆مولانا عبد الرحمن، ڈھیر یار و والہ

☆مولانا نور محمد، چکڑالہ

☆پروفیسر حافظ محمد اجملؒ (صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج، لاہور)

☆مولانا قریشی غلام حسین، داؤد خیل

☆مولانا قریشی قمر الدین، واں بھچراں

مولانا قریشی غلام محمد وردی سوانس نے بھی خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی سے اکتساب فیض کیا۔

مولانا اکبر علی ۲۷ جمادی اولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۹، دسمبر ۱۹۵۶ء کو واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کمیٹی باغ میانوالی کے وسیع میدان میں آپ کے استادِ محترم مفتی اعظم سید احمد الدین گانگویؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جس میں اِک انبوہِ کثیر نے شرکت کی۔ آپ کا مزارِ پُر انور آپ کی عظیم یادگار اکبر المساجد کے پہلو میں بنایا گیا۔[1]

معروف تلامذہ کے مختصر احوال و آثار:

☆مولانا احمد خان نیازی کوٹانے خیلؒ، روکھڑی (م ۱۹۴۷ء)

آپ کی پیدائش میانوالی سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک چھوٹے سے گاؤں روکھڑی میں تقریباً ۱۸۷۷ء کے لگ بھگ ہوئی۔ آپ میانوالی کے مشہور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والدِ محترم کا نام شیر خان تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولوی شمس الدین صاحب روکھڑی سے حاصل کی۔ اس کے بعد مشہور معروف عالمِ دین مولانا محمد اکبر علی میروی میانوالی کی خدمت کر کے دین کا علم حاصل کیا۔ کچھ کتابیں آپ نے مولوی محمد حیات مندہ خیلوی سے بھی پڑھیں اس کے بعد سہارن پور جا کر علوم دینیہ کی تکمیل کی اور واپس ہوئے۔ ان دنوں حضرت پیر فتح محمد بھورویؒ کی ولایت کے چرچے تھے۔ آپ بھی ان کے زہد و کمال کی باتیں سن کر آپ کی خدمت میں جا پہنچے اور بیعت کر لی۔ پیر صاحب بھورویؒ نے اپنے صاحبزادے محمد صدیق صاحب موجودہ سجادہ نشین کا استاد مقرر کیا۔

آپ نے مولانا محمد یعقوب سلطان خیل، مولانا محمد سعید ماڑی انڈس اور مولانا مرید احمد کے ساتھ مل کر بھور شریف مدرسہ میں اور طلبا کے ساتھ ساتھ حضرت محمد صدیق صاحب کو دینی تعلیم دی۔ اس کے علاوہ آپ ان کی بچیوں کے بھی استاد ہیں۔ آپ نے چار سال اپنے مرشد کی خدمت کی اور پھر آپ کو حضرت پیر فتح محمد بھورویؒ نے ۱۹۴۱ء میں خلافت عطا فرمائی۔ آپ اپنے استاد مولانا محمد اکبر علی میرویؒ کے حکم کے مطابق اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے جامعہ اکبریہ کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر روز روکھڑی سے پیدل دس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مدرسہ آتے اور طلبا کو پڑھاتے اور پھر سہ پہر کو واپس پیدل چل کر روکھڑی تشریف لے جاتے تھے۔ جامعہ اکبریہ میں تدریس کے درمیان آپ کوئی تنخواہ یا اعزازیہ نہیں لیتے تھے۔ فی سبیل اللہ دین کی خدمت کرتے۔ آپ کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ شرعی امور میں آپ بہت محتاط تھے، جامعہ اکبریہ میں قیام کے دوران آپ مدرسہ کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں صاحبِ حیثیت زمینداروں اور مدرسے کی معاونت کے لیے زکوٰۃ صدقات کا پیسہ آتا ہے۔ اس لیے میرے لیے اس کا کھانا پینا جائز نہیں ہے۔

آپ کثرت کے ساتھ اللہ اللہ کا ذکر کرنے والے تھے اور اکثر اپنے وظائف و اذکار میں دن گزارتے تھے۔ علم و عمل کا یہ چراغ آخر کار زندگی کے تقریباً ستر سال گزارنے کے بعد ۱۵، نومبر ۱۹۴۷ء کو بجھ گیا۔ آپ کا مزار روکھڑی، قبرستان میں ہے۔ آپ کے چار بیٹے ہوئے۔

حاجی غلام اکبر خان، حاجی محمد امیر خان، حاجی محمد اسلم خان اور محمد اقبال خان ہیں۔ آپ کے صاحبزادے حاجی محمد اسلم خان صاحب جماعتِ اہلِ سنت پاکستان کے روح و رواں تھے۔ آپ مولانا عبد الستار خان نیازی مرحوم کے آخر دم تک رفیق رہے اور آخر کار مولانا نیازی مرحوم کی آخری آرام گاہ بھی محمد اسلم خان کے گھر کے قریب بنی۔ آپ عملی سیاست میں بہت محرک رہے۔

☆حضرت خواجہ غلام جیلانی چشتی میروی (م ۱۹۸۴ء):

حضرت خواجہ غلام جیلانیؒ بن خواجہ محمد اکبر علی ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد اکبر علیؒ غوثِ اعظم سید شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے آپ کا نام غلام جیلانی تجویز فرمایا۔ حضرت الحاج غلام جیلانیؒ جن کو حضور اعلیٰ اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ ان کی تربیت خالصتاً دینی ماحول میں فرمائی۔ مکتب کی ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن مجید کے لیے خصوصی انتظام فرمایا۔ حفظِ قرآن مجید کے لیے حافظ قاری شجاع الدین لاہوری کو استاد مقرر فرمایا اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتب مولانا شہباز خان بلند شہر اور مولانا گل محمد میروی سے مدرسہ اسلامیہ لخدام غوثیہ (جامعہ اکبریہ) بلا کر محنتِ شاقہ سے پڑھوائیں۔ خود خواجہ محمد اکبر علی نے بھی معقولات و منقولات کی بعض کتابیں پڑھائیں۔ درجہ موقوف علیہ و احادیث کے دورہ کے لیے جامعہ اسلامیہ امروہہ، ہندوستان تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں علوم دینیہ سے فارغ التحصیل ہو کر میانوالی واپس تشریف لائے۔ ۱۹۴۷ء تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مجاہدِ ملت مولانا عبد الستار خان نیازی کے ہمراہ پورے ضلع میں دورے کر کے رائے عامہ کو پاکستان کی حق میں ہموار کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے لیے معززینِ شہر کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی، حضرت مولانا اس کے ممبر بنائے گئے۔ انجمنِ اسلامیہ، میانوالی کے بانی ارکان میں آپ کا نام شامل ہے۔ مولانا غلام فخر الدین گانگویؒ کے ساتھ مل کر انجمن اسلامیہ کے اصول وضوابط مقرر فرمائے۔ دسمبر ۱۹۵۶ء میں حضرت خواجہ محمد اکبر علیؒ کے وصال کے بعد اُن کے سجادہ نشین مقرر ہوئے اور ان کے چلائے ہوئے مشن کو آگے بڑھا کر ترقی سے ہم کنار فرمایا۔ حضورِ اعلیٰ حضرت خواجہ محمد اکبر علیؒ نے اپنے خانوادے کا روحانی رشتہ دربارِ میرویہ سے مستحکم رکھنے کے لیے ۱۹۴۲ء میں حضرت الحاج الحافظ غلام جیلانیؒ کی بیعت حضرت مولانا احمد خانؒ المعروف حضرت ثانی سے کرائی۔ یہ روحانی سلسلہ تا انتقال حضرت ثانی قائم رہا، بعد از انتقال ہر سال مع قافلہ احباب عرس شریف پر تشریف لے جاتے اور عرس کے انتظام میں بھرپور حصہ لیتے۔ آپ کی خلافتِ چشتیہ اپنے والدِ گرامی حضرت خواجہ محمد اکبر علی کی طرف سے عطا فرمائی گئی۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۴ء تک اس سلسلہ کو بڑے وقار واحتشام سے چلایا۔

آپ زندگی بھر مشائخِ چشتیہ کے معمولات پر پابند رہے۔ نمازِ تہجد کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت ان کا معمول تھا۔ نمازِ فجر خود پڑھاتے اور اس کے بعد درودِ مستغاث، مُسبعاتِ عشر، دُعا کبیر، سلسلہ چشتیہ کے علاوہ دلائل الخیرات شریف کی تلاوت روزانہ کے وِرد میں شامل تھی۔ مثنوی مولانا روم کے علاوہ فارسی ادب سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ اوائل عمر میں یہ اسباق طلبا کو خود پڑھاتے تھے، نمازِ چاشت کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے۔ مہمانوں کے لنگر کا خاص خیال رکھتے تھے۔ صبح شام گھر سے کھانا منگوا کر اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ آپ کا وصال مبارک ۷، جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ۳، ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ کو ہوا۔ آپ کا جنازہ ہاکی سٹیڈیم میانوالی میں پڑھا گیا۔ جنازہ کی امامت پیر محمد مظہر قیوم قدس سرہ القوم نے فرمائی۔ حدِ نگاہ تک انسانوں کا سمندر موجزن تھا، شہر

کے بازار اور دکانیں بند تھیں، ہر آنکھ اشکبار نظر آ رہی تھی۔ آپ کو حضورِ اعلیٰ کے پہلو میں، جامع اکبریہ میانوالی کے متصل دفن کیا گیا۔[۲]

☆حضرت خواجہ حافظ میاں فضل احمد گیلانی (م ۱۹۸۱ء)

آپ ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۹ھ کو محلہ میاں فتح محمد میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حفظ القرآن اپنے مدرسہ میں حضرت مولانا حافظ مظفر خانؒ سے کیا اور دیگر مروجہ علوم وفنون اپنے حقیقی ماموں حضرت خواجہ مولانا اکبر علی چشتی میرویؒ (م ۱۹۵۶ء) سے حاصل کیے۔ چودہ برس کی عمر میں والد ماجد کی شفقت سے محروم ہوگئے اور آپ کی دیکھ بھال اور تربیت کا ذمہ آپ کے محسن ماموں جان نے اٹھایا۔ آپ نے مجاہدِ اعظم ضیاء العارفین حضرت خواجہ حافظ الحاج محمد ضیاء الدین سیالویؒ کے دستِ مبارک پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہو کر خلافت پائی۔ آپ کو اپنے شیخ کامل واکمل سے انتہائی محبت اور عشق تھا۔ سیال شریف اکثر آمد ورفت رہتی تھی۔ حضرت خواجہ سیالوی بھی آپ پر بہت مہربانی فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے مرشدِ کریم کے ارشاد پر جامع مسجد کی امامت اور نگرانی کا فریضہ بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ ۶۷ سال مسجد کی خدمت کی۔ آپ صوم وصلوٰۃ، معمولات ووظائف اور شریعتِ مطہرہ کے انتہائی پابند تھے۔ اعلیٰ اخلاق وکردار کے مالک تھے۔ اپنے شیخِ کریم کے عاشق صادق تھے۔ آپ بڑے عابد وزاہد، متقی اور سخی تھے۔ غریب پرور، شفیق ومہربان اور عجز وانکساری کا پیکر تھے۔ انتہائی مستجاب الدعوات اور سیف زبان تھے۔

آپ ۱۹، جنوری ۱۹۸۱ء بروز دوشنبہ کو فوت ہوئے۔ قبر انور جامع مسجد میاں فتح محمد میں مرجع خلائق ہے۔ مزارِ شریف سنگِ مرمر کا عالی شاہ بنا ہوا ہے۔[۳]

حضرت علامہ حافظ عبد الکریم چشتی

علامہ حافظ عبد الکریم چشتی موچھ، میانوالی ۱۲۸۰ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآنِ مجید موضع تری خیل میں حافظ محمد اسمٰعیل سے حفظ کیا۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتب اٹک میں پڑھیں۔ علاوہ ازیں حضرت میاں علی محمد شاہؒ علیہ خلیفہ مجاز حضرت ثانی سیالوی قدس سرہ اور حضرت خواجہ محمد اکبر علی میرویؒ مدفون میانوالی خلیفہ مجاز حضرت خواجہ احمد میرویؒ سے کتبِ دینیہ پڑھنے کے بعد ہندوستان کا رُخ کیا اور یوپی میں مختلف افاضل سے اکتسابِ فیض کیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔ فتح جنگ میں حضرت قاضی نور حسین فتح جنگیؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ میرا شریف میں بھی زیر تعلیم رہے۔ بستی کھوکھر ضلع ڈیرہ غازی خان میں بھی پڑھتے رہے۔ ترجمہ وتفسیر کے سلسلہ میں حضرت خواجہ سید مہر علی شاہ گیلانیؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کی بیعت شمس العارفین حضرت خواجہ محمد شمس الدین سیالویؒ (م ۱۳۰۰ء) سے تھے۔ علومِ دینیہ سے فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ملتان میں کافی عرصہ تدریس فرمائی۔ بعد ازاں چنیوٹ کی چٹی مسجد میں تاحیات مستقل مقیم رہے۔ مقامی کالجز کے طلبا عربی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ

چنیوٹ میں ۱۹۷۰ء کے عشرہ میں علیل ہوئے اور واپس اپنے وطن موچھ تشریف لے گئے۔ آپ نے محلہ اسلام پورہ، موچھ میں، ۱۵ مارچ ۱۹۷۴ء میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شریف "موازوالہ شریف" موچھ میں واقع ہے۔[۴]

☆قُدوۃُ السّالکین حضرت خواجہ محمد عبد الغفور دریا شریف المعَروف حضرت باباجیؒ (م ۱۳۹۷ھ)

آپ کی پُوری زندگی عبادت و ریاضت اور مُجاہدہ میں گزری۔ سنِ بلوغ سے لے کر وقتِ رحلت تک آپ نے ہر نماز باجماعت تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ ادا کی۔ حضرت باباجی نے قرآن مجید شکر درہ شریف میں حفظ کیا۔ حفظ کے بعد حُصولِ علم دین کے لیے مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔ بعض کتابیں خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی سے پڑھیں۔ اس کے علاوہ جن مقامات پر حصول علم کے لیے تشریف لے گئے۔ ان میں کامرہ، اکھوڑی، رام پور اور دہلی شامل ہیں۔ آپ طالب علمی کے دَور میں ہی تقویٰ و طہارت کا پیکر تھے۔ اور تمام زندگی مجاہداتِ شاقہ میں گزاری۔ آپ کی پہلی بیعت بھی مانکی شریف میں ہے۔ جب مانکی شریف میں حضرت ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اِنتقال ہوا تو باباجی صاحب نے حضرت ثانی کے خلیفہ حضرت باباجی برہ زئی شریف کے ہاں آمدورفت شروع کی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اُن کا اِنتقال پُر ملال ہو گیا۔

اس کے بعد آپ سواگ شریف حضرت غلام حسن سواگ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بیعت فرمائی۔ آپ جب بھی دربارِ عالیہ پیر سواگ پر حاضر ہوتے تو کیمبل پُور (اٹک) سے باوضو ہو کر گاڑی پر سفر کرتے۔ اور کروڑا سٹیشن پر اُتر کر پیدل دربار شریف تک چلے۔ جب حضرت پیر سواگ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر روضہ تیار ہو رہا تھا تو دریا شریف سے طلبا لے کر آپ حاضر ہوتے اور اپنے ہاتھ سے خود کام کرتے۔ حضرت ثانی صاحب خواجہ غلام محمد سواگوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سلاسِل اربعہ (نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی) میں خلافت عطا فرمائی۔ آپ نے اپنی مسجد تین منزلہ بنوائی تھی اس خیال سے کہ دریا شریف گاؤں کی کوئی عمارت اللہ کے گھر سے اونچی نہ ہو۔ پوری زندگی کسی شخص سے مسجد یا مدرسہ کے لیے آپ نے کوئی پیسہ نہیں لیا۔ آپ کا مزار پُر انوار دریائے رحمت شریف میں مرجع عوام و خواص ہے۔ آپ کے تمام صاجزادگان خدمتِ دین متین میں آج بھی شب و روز مصروف ہیں۔ جو چشمہ فیض حضرت باباجیؒ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جاری فرمایا تھا، آج بھی تشنگانِ معرفت کو سیراب کر رہا ہے۔ دریا شریف میں دینی مدرسہ قائم ہے۔ جس میں قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی صدائیں آج بھی سامعہ نواز ہو رہی ہیں۔ اور اس دینی و روحانی مرکز میں درس و تدریس، افتا اور تصنیف و تالیف کا کام جاری ہے۔

☆حضرت باباجی محمد مظہر قیوم قدس سرہ العزیز (م ۲۰۰۹ء)

عمدۃ الاولیاء الواصلین، حلیتہ الاتقیاء السالکین، قمر الاقمار الولایہ، شمس شموس الھدایہ، تاج الاصفیا، زینت الاولیا، مظہر محبتِ مصطفیٰ حضرت باباجی حافظ پیر محمد مظہر قیوم قدس سرہ العزیز ایک ایسے شہ سوار حقیقت تھے۔ جنھوں نے شریعت و طریقت کو اس کے

روح اور جسم سمیت ایک تازہ زندگی عطا کی۔ آپ علومِ ظاہری اور باطنی کے جامع تھے مگر آپ کی طبیعت پر تصوف و روحانیت غالب تھی۔ آپ ۱۹۳۵ء میں چکی شریف داخلی لاوہ، تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان اور علاقہ کافی عرصہ تک علم و حکمت کا مرکز رہا۔ حضرت خواجہ حسن سواگ چکی شیخ جی میں علمی استفادہ فرماتے رہے۔ علومِ ظاہری کی تکمیل آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور اساتذہ سے فرمائی۔ جن میں مولانا خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی، خواجہ غلام جیلانی، مفتی محمد حسین شوق، مولانا شیخ الحدیث فیض احمد فیض (صاحبِ مہرِ منیر) اور محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد شامل ہیں۔

آپ کا زندگی بھر معمول رہا کہ ہر سال اپنے مشفق استاذ خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی کے عرس مبارک کے موقع پر حاضری دیا کرتے۔ آپ کو خرقۂ خلافت کی نعمت حضرت باباجی دریوی بابا عبد الغفور دریائے رحمت شریف سے عطا ہوئی۔ آپ کو تینوں سلسلوں، قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ آپ کے مناقب بے شمار اور فضائل لاتعداد ہیں۔ مشائخِ کرام اور اولیائے عظام سے آپ کو والہانہ محبت تھی، آپ نے تقریباً ساری زندگی فرض نمازیں باجماعت ادا فرمائیں، ساری زندگی تہجد، اشراق، چاشت اوابین اور بعد نمازِ عشاء صلوۃ التسبیح آپ کے معمولات میں شامل رہیں۔ ہر نماز کے بعد ختمِ خواجگان، سلسلہ عالیہ قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ کے اسباق و وظائف کے علاوہ حزب البحر، دلائل الخیرات اور قصیدہ غوثیہ کے وظائف بھی آپ کے معمولات میں شامل تھے۔ قرآنِ پاک سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ رمضان المبارک میں آپ چار قرآنِ پاک کا ختم بصورت جماعت ادا فرماتے، جن میں ایک صلوۃ التراویح میں، دوسرا بعد از نمازِ تراویح بصورتِ نوافل، تیسرا اوابین میں اور چوتھا بصورتِ تہجد ادا فرماتے، گردے کی تکلیف سے قبل آپ پورا قرآن پاک ۲۹ ویں رمضان المبارک دو رکعت میں ادا فرماتے۔ اللہ پاک نے آپ کو طے لسانی کا شرف عطا کر رکھا تھا۔

ایک دن آپ نے ظہر اور عصر کے درمیانی وقت میں ایک ہی نشست میں پورا قرآن مکمل کیا اور فرمایا آج حضرت علی مرتضیٰ کی یہ سنت بھی پوری ہو گئی۔ آپ ہمیشہ سفید لباس زیب تن فرماتے، سر پر سفید عمامہ سجاتے اور سفید چادر اوڑھے سر کو جھکائے رکھتے، چشم تر، آہِ سرد، رنگِ زرد کا عملی نمونہ تھے۔ دھیمی اور پُر سوز آواز میں کلام فرماتے۔ آپ نے ۲۳، رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۲۰۰۹ء بروز پیر وصال فرمایا، روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۶، ستمبر ۲۰۰۹ء کے مطابق آپ کے جنازہ کے شرکا کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ آپ کا مزار مبارک، پپلاں شریف ضلع میانوالی میں مرجعۂ خلائق ہے۔

قیامِ مدرسہ:

اس مدرسہ کے قیام کا سہرا اس مرد خدا کے سر ہے جس نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل ۱۹۰۶ء میں میانوالی کے ذرات کو طور بنایا اور اپنے پیر و مرشد قطب الاقطاب حضرت خواجہ احمد میرویؒ کے حکم پر میانوالی کی جامعہ مسجد کو مسکن بنا کر قال اللہ و قال

رسول ﷺ کے پُر فضا نغموں سے فضا کو معطر کیا۔ سراج السالکین حضرت خواجہ محمد اکبر علی چشتی نے اس مے کدہ کو آباد فرمایا اور ان کے خلف الرشید حضرت مولانا غلام جیلانی متوفی ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۴ء نے اس کو مزید جِلا بخشی۔ دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالمالک چشتی نے ۲۲ اگست ۱۹۷۵ء مطابق ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد فرمائی اور دارالعلوم کے نصاب اور نظم و نسق میں تبدیلیاں فرمائیں۔

مدرسہ کا نام جامعہ اسلامیہ لخدام غوثیہ تھا لیکن نشاۃ ثانیہ کے بعد بانی اول کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے اس کا نام تبدیل کر کے جامعہ اکبریہ تجویز کیا گیا اور آج مدرسہ ملک کے طول و عرض میں اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔ مدرسہ میانوالی کی سب سے مصروف شاہراہ بلوخیل روڈ پر جامع مسجد کے ساتھ واقع ہے۔ اس مدرسہ کے پہلو میں سرتاج عاشقان غوثیہ حضرت علامہ مولانا خواجہ محمد اکبر علی چشتیؒ کا مرقد انور مرجع خلائق ہے۔

خواجہ محمد اکبر علی کے دور سے ہی مدرسہ مشہور ہو گیا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ محمد ریاض بھیروی لکھتے ہیں:

> جلد ہی آپ کی جلالتِ علمی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ طلبا تحصیلِ علوم اور عوام و خواص تحصیلِ فیوض کے لیے جوق درجوق آپ کی بارگاہِ ناز میں حاضر ہونے لگے۔ جس ذات ذوالجلال کے بھروسے پر کام کی ابتدا کی گئی تھی، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس بندۂ متوکل کی دستگیری میں دیر نہ ہوئی اور منزلیں آکر شوقِ قدم چومنے لگیں۔ طلبا کی رہائش کے لیے کمرے بھی تعمیر ہو گئے۔ درسِ قرآن کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی کا اجرا بھی کر دیا گیا۔ اسی مدرسہ میں ۸۰ کے قریب طلبا زیرِ درس رہنے لگے۔ جن کی جملہ ضروریاتِ خورد و نوش، کتب، لباس اور رہائش کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوتا، حضرت صاحب انتہا درجے کے فیاض تھے جو کچھ بھی آتا، طلبا پر روزانہ خرچ ہو جاتا۔ کبھی فکرِ فردا کے لیے رقم بچا کر نہ رکھی۔ ہر جمعرات کو طلبا کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام ہوتا اگر لنگر میں کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو قرض لے کر بھی لنگر جاری رکھا جاتا۔[۶]

مدرسہ کی موجودہ عمارت ۲۲ کمرہ جات اور ۲ برآمدوں پر مشتمل ہے۔ جن میں کتب خانہ، دفتر، اساتذہ کے ۶ تدریسی کمرے اور طلبا کے ۱۴ رہائشی کمرے شامل ہیں۔ رہائش کی کمی کی وجہ سے طلبا شہر کی دیگر مساجد میں قیام پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ادارہ تنظیم المدارس عربیہ پاکستان سے درجہ فوقانی میں ہے۔ اس میں تنظیم المدارس کا منظور شدہ نصاب پڑھایا جاتا ہے، مدرسہ میں بہ یک

وقت ۸ شعبہ جات پر کام ہو رہاہے۔شعبہ جات میں ناظرہ قرآن پاک،شعبۂ حفظ مع تجوید،شعبۂ سکول،شعبہ درس نظامی، شعبہ افتاء،جامعہ اکبریہ للبنات،جامعہ اکبریہ کمپیوٹر اینڈ ٹیکنیکل سنٹر،اکبریہ تجوید القرآن(اکبریہ ٹاؤن)شامل ہیں۔

مدرسین:

مدرسہ کی ابتدا سے آج تک جو معروف علما یہاں پڑھاتے رہے ان کے اسماحسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد اکبر علی(تلمیذِ رشید مفتی اعظم سید احمد الدین گانگوی)

۲ مولاناشہباز خان بلند شہری، فاضل دیوبند(تلمیذ مولانا محمود الحسن دیوبندی)

۳۔ مولانااحمد خان روکھڑی فاضل مظاہر العلوم سہارن پور

۴۔ مولانامیاں محمد میروی فاضل مظاہر العلوم سہارن پور

۵۔ مولانامخدوم چراغ علی

۶۔ مولاناخواجہ غلام جیلانی(فاضل مظاہر العلوم سہارن پور)

۷۔ مولاناعبدالمالک چشتی میروی،فاضل جامعہ رضویہ،فیصل آباد

۸۔ شیخ الحدیث مفتی محمد عبد الغفور سیالویؒ(تلمیذ رشید مولانااللہ بخش واں بھچروی)

۹۔ شیخ الحدیث مولانامیاں محمد بھورویؒ(تلمیذ رشید مفتی محمد حسین شوق،پپلانوی)

۱۰۔ مفتی محمد حسین علی چشتی(تلمیذ رشید امام المناطقہ علامہ عطامحمد بندیالوی)

۱۱۔ شیخ الحدیث مولانانذیر احمد الباروی

۱۲۔ مولانامفتی محمد عمر

۱۳۔ مولاناعبدالعزیز سیالوی، گوندل

۱۴۔ مولانامحمد دین دربٹہ

۱۵۔ مولانامفتی سیف اللہ نصیر

۱۶۔ مفتی عارف محمود قادری

دار العلوم جامعہ اکبریہ کی ذیلی شاخیں:

دار العلوم جامعہ اکبریہ سے فارغ التحصیل علمانے مختلف اضلاع،قصبات اور دیہاتوں میں مدارس کی بنیادرکھی۔اُن میں سے چند مدارس کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں جو آج بھی صاحبزادہ محمد عبدالمالک کی زیرِ قیادت دینی و علمی خدمات احسن انداز سے سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۔ جامعہ انوارِ مدینہ، جی ۱۳، اسلام آباد
۲۔ جامعہ انوار القرآن نقشبندیہ، راولپنڈی
۳۔ جامعہ نور الاسلام سراجیہ رضویہ ڈھبہ، تلہ گنگ
۴۔ جامعہ حسیبیہ، وڑچھہ شریف، خوشاب
۵۔ جامعہ میرویہ رضویہ، اُچھڑی، جنڈ (اٹک)
۶۔ جامعہ تجوید القرآن، جامعہ مسجد العمر، میانوالی
۷۔ اکبریہ للبنات، اکبریہ ٹاؤن، میانوالی
۸۔ جامعہ للبنات فیضیہ، جامعہ مسجد سیداں وانڈھی گھنڈ والی
۹۔ جامعہ غوثیہ ہاشمیہ للبنات، وانڈھی آرائیاں، میانوالی
۱۰۔ جامعہ اکبریہ للبنات، کندیاں، میانوالی
۱۱۔ جامعہ اکبریہ، شادیہ، میانوالی
۱۲۔ جامعہ صدیقہ اکبریہ، کالاباغ، میانوالی

فارغ التحصیل فضلا جامعہ اکبریہ، میانوالی:

۱۔ حضرت خواجہ محمد اکبر علی چشتیؒ کے بعض معروف تلامذہ کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں تاسیس ثانی کے بعد فارغ التحصیل ہونے والے اُن بعض علما کے سنین فراغت معہ اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جنھوں نے درسیات کی تکمیل دار العلوم اکبریہ سے ہی کی۔

مولانا حافظ فیض محمد چشتی ولد شیر محمد، وڑچھہ، ۱۹۸۴ مولانا منظور عالم سیالوی ولد مولانا اولیا خان، میانوالی، ۱۹۸۴، مولانا فتح خان چشتی ولد مظفر خان، وڑچھہ ضلع خوشاب، ۱۹۸۴، مولانا محمد شیر سیالوی ولد جان محمد، شادیہ میانوالی، ۱۹۸۴، مولانا عبد المجید سیالوی ولد اللہ داد، جنڈ نوالہ، ۱۹۸۴، مولانا خیر دین ولد غلام محمد، میانوالی، ۱۹۸۴، مولانا دوست محمد ولد غوث محمد، وڑچھہ، ۱۹۸۶، مولانا حافظ نور احمد میروی ولد حافظ حاجی محمد نعیم، اچھڑی ضلع اٹک، ۱۹۸۶، مولانا پروفیسر عبد المجید سیالوی ولد غلام حسن، مبیل شریف بھکر، ۱۹۸۶، مولانا قاری فتح خان سیالوی ولد شیر محمد، سکا ضلع چکوال، ۱۹۸۶، مولانا حافظ غلام یٰسین میروی ولد غلام حسین، مونوالی ضلع میانوالی، ۱۹۸۶ مولانا پروفیسر قاری ظفر اقبال ولد مہر خان، ضلع خوشاب، ۱۹۸۶، مولانا قاری امان اللہ قادری ولد کریم بخش، ضلع بھکر، ۱۹۸۶، مولانا قاری نور زمان گولڑوی ولد محمد محمود، سکا ضلع چکوال، ۱۹۸۶، مولانا نور الحسن مظہری ولد صوفی محمد سعید، قائد آباد، ۱۹۸۸، مولانا حافظ شیر محمد میروی ولد گل محمد میروی، میر اشریف اٹک، ۱۹۸۸، مولانا فیض الحسن کاظمی ولد حکیم محمد اسلم، کرمشانی، ۱۹۸۸، مولانا حافظ فیض الرحمٰن سلطانی ولد عبد الرحمٰن، کلورکوٹ، ۱۹۸۸، مولانا حافظ محمد علی ولد محمد بخش، بھکر، ۱۹۸۸، مولانا حافظ محمد یٰسین ولد حافظ میاں جی، کوٹ قاضی چکوال، ۱۹۸۸، مولانا حافظ محمد اکرم خان ولد حاجی احمد خان، بھکر، ۱۹۹۲، مولانا حافظ محمد شاہین شاہ ولد محمد مسلم شاہ، میانوالی، ۱۹۹۲، مولانا عبد الغفور عاطف ولد حاجی غلام حسن، میانوالی، ۱۹۹۲، مولانا امام بخش گولڑوی ولد خدا بخش، ڈی آئی خان، ۱۹۹۲، محمد شاہ نواز ولد غلام قاسم، معظم والی ڈی آئی

خان،۲۰۰۰، مولا نا احمد حسن ولد غلا م محمد، معظم والی ڈی آ ئی خا ن،۲۰۰۰، مولا نا محمد اسلم ولد محمد ابر اھیم، معظم والی ڈی آئی خان،۲۰۰۰، مولانا عبد العزیز ولد غلا م یٰسین، سید علیاں،۲۰۰۰، مولا نا نصیر احمد ولد محمد انور، ماہڑ نوالہ میانوالی،۲۰۰۰، مولا نا محمد رمضان ولد غلام یٰسین، ہو ندے والی،۲۰۰۰، مولا نا عبد الغفار ولد احمد یار، موسی والی،۲۰۰۰، مولا نا ملازم حسین ولد غلام قادر، چاہ جانے والا، میانوالی۲۰۰۰، مولا نا محمد امین ولد غلام حسین، ہو ندے والی میانوالی،۲۰۰۰، مولا نا قمر عباس ولد حاجی نذیر احمد، داؤد خیل میانوالی،۲۰۰۰، مولا نا محمد سیف اللہ نصیر ولد عالم شیر، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۰۰، مولا نا محمد مشتاق شاکر ولد محمد عثمان، احمد شاہ والی میانوالی،۲۰۰۲، مولا نا محمد ابر اھیم ولد غلام حسین، احمد شاہ والی میانوالی،۲۰۰۲، مولا نا محمد اسلم ولد غلام سر ور، ماہڑ نو الہ میانوالی ،۲۰۰۲، مولا نا جاوید اقبال ولد کر م داد، داؤد خیل میانوالی،۲۰۰۲، مولا نا عبد الرؤف ولد حاجی غلام حسین، پکہ گھنجیر ہ میانوالی ،۲۰۰۲، مولا نا مشتاق احمد صابر ولد مظفر حسین، جھوک گامے والی ڈی آئی خان،۲۰۰۲، مولا نا فضل الرحمٰن ولد عبد الغفار خان، نیکو خیلا نوالہ میانوالی،۲۰۰۶، مولا نا حافظ شمس الدین ولد غلام قاسم، پپلاں میانوالی،۲۰۰۶، مولا نا مشتاق احمد بندیالوی ولد خان زمان خان، ونجاری عیسیٰ خیل،۲۰۰۶، مولا نا محمد خان ولد فتح خان، شادیہ میانوالی،۲۰۰۸، مولا نا زبیر اقبال ولد کرم داد خان، داؤد خیل میا نوالی،۲۰۰۸، مولا نا محمد حنیف ولد احمد حسین، ڈیر ہ اسما عیل خان،۲۰۰۸، مولا نا منظور الکو نین ولد حا جی احمد، ڈیر ہ اسما عیل خان،۲۰۰۸، مولا نا محمد جو اد الحسن ولد گل حسن، کمبوہ شریف ڈی آئی خان،۲۰۰۸، مولا نا محمد فیض رسول ولد حافظ سید رسول، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۰۸، مولا نا عبد الغفار ولد غلام سرور، معظم والی ڈی آئی خان،۲۰۰۸، مولا نا حافظ محمد رمضان ولد غلام رسول، پپلاں میانوالی،۲۰۰۸، مولا نا مدثر علی شاہ ولد محمد اصغر شاہ، سمندر شریف ضلع لکی مروت،۲۰۰۸، مولا نا طاہر رضا ولد جان محمد، حافظ امیر والا میانوالی،۲۰۱۰، مولا نا عنایت اللہ خان ولد امیر فیض اللہ خان، بھائی والی ڈی آئی خان،۲۰۱۰، مولا نا محمد عابد علی ولد حکیم نیاز علی، واں بھچرا ں میا نوالی،۲۰۱۰، مولا نا ظفر اقبال ولد محمد اقبال، لا وہ چکوال،۲۰۱۰، مولا نا ملک دلا ور ولد جا نو ں، کھر و والی ڈی آ ئی خان،۲۰۱۰، مولا نا محمد اختر ولد مولا نا عبد الغفور، ناڑی واں بھچراں میانوالی،۲۰۱۳، مولا نا غازی ہدایت اللہ ولد حاجی امان اللہ، ہزارہ شما لی میا نوالی،۲۰۱۳، مولا نا محمد اسلم ولد غلا م احمد، آدھی کو ٹ،۲۰۱۳، حا فظ رحمت اللہ ولد غلا م فرید، ہزا رہ شما لی میانوالی،۲۰۱۳، مولا نا محمد عبد المجید قاسمی ولد غلام قاسم، جھوک معظم والی ڈی آئی خان،۲۰۱۳، مولا نا کریم بخش ولد محمد بخش، حضر و اٹک،۲۰۱۵، مولا نا محمد رمضان ہزاروی ولد حاجی احمد نواز، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۵، مولا نا عبد الحمید ہزاروی ولد حاجی احمد نواز، ہزارہ شما لی میانوالی،۲۰۱۵، مولا نا لعل حسین شاہ ولد محمد حسین شاہ، حضر و اٹک،۲۰۱۵، مولا نا محمد تنو یر ولد غلا م محمد، احمد شا ہ والی میانوالی،۲۰۱۵، مولا نا محمد خا لد محمود ولد حا فظ ربنواز، اسلا م پو رروڈی،۲۰۱۵، مولا نا مشتا ق ولد محمد خا ن، ڈھوک میا نی میانوالی،۲۰۱۵، مولا نا محمد عرفان ولد خان زمان، کچہ ملی خیل ڈی آئی خان،۲۰۱۶، مولا نا محمد مطیع اللہ ولد حاجی احمد، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۶، مولا نا محمد صادق ولد عبد الرزاق، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۶، علامہ غلام فرید ولد فلک شیر، جمعہ شریف ڈی آئی خان،۲۰۱۶، علامہ محمد سمیع اللہ نصیر ولد غلام یٰسین، جھوک گامے والی ڈی آئی خان،۲۰۱۶، علامہ حافظ محمد شہباز ولد محمد صدیق، احمد

شاہ والی پپلاں،۲۰۱۶، علامہ محمد ظہورالدین ولدبشیر احمد،دلیو الہ بھکر،۲۰۱۶، علامہ قاری محبوب ولد احمد نواز، پہاڑپور ڈی آئی خان،۲۰۱۶، علامہ قاری شاہجہان ولدعبدالخالق،ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۶، علامہ محمد ندیم جامی ولدمنیر احمد،ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۸، علامہ محمد سلیم ولدمنظور احمد،مموں والی میانوالی،۲۰۱۸، علامہ محمد وسیم مصطفائی ولدربنواز،اسلام پورروڈی،۲۰۱۸، علامہ قمر اقبال سیالوی ولدقاری جاوید اقبال سیالوی،ہاکی سٹیڈیم میانوالی،۲۰۱۸، علامہ قاری محمدصدیق ولدرقیب،میر ا شر یف اٹک،۲۰۱۸، علامہ محمد فیاض ولدمحمد نوا ز،بیبل شریف،۲۰۱۸، علامہ محمد سجادولدمحمد اقبال، ملتان،۲۰۱۸، علامہ ابو بکر ولدغلا م سر ور، میانوالی،۲۰۱۸، علا مہ عبداللطیف ہزا روی ولدعبد الحمید ،ہز ارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۹، علامہ ثاقب جاوید ہزاروی ولدصغیر احمد، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۹، علامہ محرم علی ہزاروی ولدعبدالحمید، ہزارہ شمالی میانوالی،۲۰۱۹، علا مہ بشیر احمد کلو ہزاروی ولدحافظ غلا م جیلا نی، ہز ارہ شمالی میا نوالی،۲۰۱۹، علا مہ محمد جنید گو لڑوی ولدشیخ عبد الرؤف، پہاڑ پور ڈی آئی خان،۲۰۱۹، علامہ روشن ضمیر ولدغلاشبیر، حمید کوٹ ہر نولی،۲۰۱۹، علا مہ ذکاء اللہ قریشی ولدعبد الستار قریشی، داؤ د خیل میا نوالی،۲۰۱۹، علامہ سیف اللہ ولدامیر فیض اللہ خان، بھانی والی ڈی آ ئی خا ن،۲۰۲۰، عرفان اللہ ولدغلام قادر، جھوک معظم والی پہا ڑ پور ڈی آئی خا ن،۲۰۲۰، علامہ عرفان ولدخادم حسین، ہز ارہ شمالی میا نوالی،۲۰۲۰، علامہ محمد ذوالفقارولدغلام حسن، چا ہ جا نے والا میا نوالی،۲۰۲۰، علامہ محمد آصف ولد غلام فرید، چا ہ جا نے والا میا نوالی،۲۰۲۰، علامہ محمد ذوالفقارولدغلام حسن، چا ہ جا نے والا میا نوالی،۲۰۲۰، علامہ محمد خرم اقبال ولدقاری جاوید اقبال سیالوی، ہاکی سٹیڈیم میانوالی،۲۰۲۰، علامہ محمد عثمان میروی ولدشمس الدین، اٹک،۲۰۲۰، علامہ محمد رضوان ولدغلام احمد، کالا پانی پہاڑپور ڈی آئی خان،۲۰۲۰۔

۲۔ دارالعلوم اکبریہ سے استفادہ کرنے والے وہ علمائے اکبریہ جنھوں نے تحقیقی و تصنیفی خدمات سرانجام دیں یااُن کا تعلق کسی معروف خانقاہ سے رہا۔

خواجہ غلام فخر الدین گانگوی(م۱۹۸۳ء، جامعہ شمس العلوم گانگویہ)، پیر سید غلام حبیب شاہ گیلانی(آستانہ عالیہ وڑچھہ شریف)، پیر سید غلام فخر الدین گیلانی(م۱۹۹۶ء، آستانہ عالیہ وڑچھہ شریف)، علامہ پیر سید باقر شاہ (بھکر)، پیر سید محمود الحسن شاہ(آستانہ عالیہ کوٹ گلہ شریف)، پیر سید قمر الزمان شاہ(آستانہ عالیہ کوٹ چاندنہ)، پیرسید نور الزمان شاہ(آستانہ عالیہ کوٹ چاندنہ)، پیر سید سراج الزمان شاہ(آستانہ عالیہ کوٹ چاندنہ)، صاحبزادہ انوار احمد شاہ(آستانہ عالیہ خواجہ آباد شریف)، صاحبزادہ ضیاء الدین چھچڑوی(آستانہ عالیہ قادریہ موسی والی پپلاں)، صاحبزادہ انوار احمد شاہ(اسکندر آباد)، علامہ صاحبزادہ بشیر احمد (ترگ شریف)، صاحبزادہ محمد عبدالمالک چشتی، حضرت علامہ قاضی نور احمد(ڈھبہ شریف)، پروفیسر محمد اشفاق چغتائی، پروفیسر ڈاکٹر محمد ظفر اقبال، علامہ محمد ریاض بھیروی، علامہ محمد علی اعظمی، علامہ سید مدثر علی شاہ، ڈاکٹر عطاالمصطفیٰ مظہری۔

علمائے اکبریہ کی تصنیفی خدمات:

مولانا اکبر علی چشتی:

۱۔ تقریراتِ بخاری (قلمی)، اکبریہ لائبریری، میانوالی

۲۔ تقریراتِ مسلم (قلمی)، اکبریہ لائبریری، میانوالی

۳۔ تقریراتِ ابوداؤد (قلمی)، اکبریہ لائبریری، میانوالی

۴۔ تقریراتِ ترمذی، عربی (قلمی)، اکبریہ لائبریری، میانوالی

۵۔ رحمت الباری فی عطا تقریراتِ بخاری، مولانا محمد اکبر علی (تحقیق: عطاالمصطفیٰ مظہری)، ۲۰۱۹ء، عکس پبلی کیشنز، لاہور

مولانا محمد عبدالمالک چشتی:

۱۔ فتاویٰ اکبریہ، محمد عبدالمالک چشتی، انجمن اکبریہ، میانوالی

۲۔ جمالِ فقر، محمد عبدالمالک چشتی، ۲۰۱۳ء، انجمن اکبریہ، میانوالی

سید محمد باقر شاہ:

۱۔ اکبر السوانح، تذکرہ حضرت خواجہ محمد اکبر علی، مولف سید محمد باقر شاہ، ناشران خدابخش، محمد اسلم، تاجران کتب، چوک بازار، بھکر، طبع ثنائی پریس سرگودھا، اشاعت ۱۹۵۷ء

سید محمد سراج الزمان شاہ:

۱۔ انوارِ قمریہ، تحریر و ترتیب، سید محمد سراج الزمان شاہ، زیر اہتمام نوریہ فخریہ بدریہ کوٹ چاندنہ شریف کالاباغ، میانوالی باراول، ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۴ء

پروفیسر محمد اشفاق چغتائی:

۱۔ جمالِ فقر، سوانح حیاتِ خواجہ محمد اکبر علی میروی چشتی، مرتبہ پروفیسر محمد اشفاق چغتائی آباد، ضیاء القرآن اکیڈمی، میانوالی، ۱۴۰۷ھ

۲۔علامہ اقبال کا تصور وجود و شہود (مقالہ برائے ایم فل اقبالیات) مطبوعہ

۳۔فقر غیور (مطبوعہ)

۴۔صراحی (رباعیات) مطبوعہ

۵۔چراغ (شاعری) مطبوعہ

۶۔اقبال اور وحدتِ اسلام (اس مقالے پر سفارت خانہ ایران کی طرف سے اول انعام دیا گیا)

۷۔کربلائے وقت اور اقبال (۱۹۹۰ء میں عراق پر امریکی حملے کے پس منظر)

۸۔اقبال بارگاہِ صدیقی میں (پمفلٹ)

۹۔خوابِ اقبال کی عملی تعبیر، اقبال اور سرمایہ داری

۱۰۔مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی بعنوان علامہ محمد اقبال اور محی الدین عربی کے نظام ہائے فکر میں مشاہدے کا تقابلی مطالعہ (یہ تحقیقی کام آپ اپنی حیات میں مکمل کر چکے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی)

۱۱۔علامہ اقبال اور احیائے امت کی جدید حکمتِ عملی

۱۲۔مسئلہ کشمیر کا حل افکارِ اقبال کی روشنی میں

۱۳۔مسلمان عورت اقبال کی نظر میں

۱۴۔کربلا کا سرمدی پیغام علامہ اقبال کی نظر میں

۱۵۔تقابلی مطالعہ گلشن راز و گلشن راز جدید

۱۶۔علامہ اقبال ایک مردِ فقیر

۱۷۔علامہ اقبال کا انقلابی تصورِ دین

۱۸۔ علامہ اقبال کا تصورِ حج

ان کے علاوہ دیگر مقالہ جات جن میں:

۱۹۔ صدیق کے لیے خدا کا رسول بس،

۲۰۔ سی ٹی بی ٹی یادستاویز غلامی

۲۱۔ جشنِ عیدِ میلاد النبی منانے والوں سے گنبدِ خضریٰ کی پکار

۲۲۔ احیائے امت کیوں اور کیسے؟

۲۳۔ برائیوں کا انتخاب

۲۴۔ اظہار الحق ہم دِل و ہم زبانِ اقبال

۲۵۔ حرف و صوت

۲۶۔ سرمایہ داری اور شرعِ پیغمبر

۲۷۔ آو نقش جہاں بدل ڈالیں

۲۸۔ پروفیسر طاہر القادری اور ان کی تحریک

۲۹۔ مشائخ عظام اور علما امت کے نام

۳۰۔ تیر و سناں و خنجر و شمشیر آرزواست

۳۱۔ مروجہ ابلیسی سیاست کا بائیکاٹ

۳۲۔ ایک ایمانی تقاضا

۳۳۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کا صدام حسین کے خلاف جہاد

۳۴۔ مصطفی نایاب، ارزاں بولہب

۳۵۔ سر وحدتِ ملی، سامراج کیا ہے؟

۳۶۔ پاکستان کی نظریاتی اساس اور جمہوریت

۳۷۔ فرزندِ اقبال کی خدمت میں

۳۸۔ امام احمد رضا خان بریلوی

۳۹۔ فردوسِ بریں کا تنقیدی مطالعہ

وغیرہ شامل ہیں۔[۷]

محمد ریاض بھیروی:

۱۔ آبشار بردہ، محمد ریاض بھیروی، دار الاسلام، لاہور، ۲۰۱۹ء

۲۔ ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، محمد ریاض بھیروی، ادارہ نور المصطفیٰ، ۲۰۱۹ء

۳۔ فوز الیقین فی احوال سید احمد الدین، محمد ریاض بھیروی، (غیر مطبوعہ)

۴۔ دبستانِ اکبری، ششماہی قندیلِ سلیمان، جنوری تا دسمبر ۲۰۲۰ء، نظامیہ دار الاشاعت، مکھڈ شریف، اٹک

اخبارات و جرائد میں آرٹیکلز اس کے علاوہ ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد ظفر اقبال:

۱۔ تفسیر الجصاص سے سورۃ المائدہ کا ترجمہ، تخریج اور حواشی، مقالہ ایم فل، ۲۰۰۷ء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۔ مجاہدِ ملت مولانا عبد الستار خان نیازی ایک تاریخی شخصیت، ۲۰۱۸ء، مجلہ مجاہد ملت قصور

۳۔ بیسویں صدی عیسوی میں تفسیر کا دعوتی رُجحان، مقالہ پی ایچ ڈی، ۲۰۱۹ء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۴۔وحید الدین خان کی دعوت کا تنقیدی جائزہ،۲۰۱۹ء، معارف اسلامی مجلہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۵۔علماء اہلِ سنت کی دعوتی خدمات،۲۰۱۹ء، معارف اسلامی مجلہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مولانا محمد علی اعظمی:

۱۔معراج المومنین، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۱۹۹۲ء

۲۔خمینی اپنے آئینہ میں، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۱۹۹۲ء

۳۔نمازِ تراویح، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۱۹۹۸ء

۴۔نذر کی شرعی حیثیت، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۲۰۰۰ء

۵۔فضیلت العلم العلماء، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۲۰۰۲ء

۶۔نمازِ صلوٰۃ و تسبیح کی جماعت، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۲۰۰۵

۷۔کنز الحسنین فی تحقیقِ یوم الاثنین، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۲۰۱۲

۸۔القول المقبول فی جوابِ صلح ابنِ رسول، محمد علی اعظمی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی، ۲۰۲۱

اس کے علاوہ ماہنامہ تحفظ کراچی میں ۲۶ اقساط میں مذہبِ شیعہ کا مفصل تعارف بھی کرایا ہے۔ بیس کے قریب مضامین مقامی و قومی اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

عطا المصطفیٰ مظہری:

تصنیفات:

۱۔مظہرِ ولایت، عطا المصطفیٰ مظہری، مکتبہ اکبریہ، س ن

۲۔التحفۃ الروحانیہ فی الشجرۃ المظہریہ، عطاء المصطفیٰ مظہری، درگاہِ مظہریہ پپلاں، میانوالی، جولائی ۲۰۱۳ء

۳۔افکار الصدرین،عطاء المصطفیٰ مظہری، کتاب محل،لاہور،۲۰۱۶ء

تحقیقات و تراجم:

۴۔نصاب المریدین(رسالۃ المسترشدین امام حارث المحاسبی)ترجمہ،عطاء المصطفیٰ مظہری، کتاب محل،لاہور

۵۔تحفۃ المجاہدین(شیخ زین الدین ملیباری) تکمیل ترجمہ،عطاء المصطفیٰ مظہری، کتاب محل،لاہور

۶۔اسلامی بیت المال،صدرالعلماء سید احمد الدین گانگوی، تحقیق و تدوین عطا المصطفیٰ مظہری،تقدیم محمد ریاض بھیروی، کتاب محل لاہور،۲۰۱۸ء

۷۔حفاظت الایمان، مفتی اعظم الشیخ السید احمد الدین گانگوی، الحنفی(۱۹۶۸،۱۸۹۳)،توہین رسالت، میلاد النبیؐ،ندائے غائبانہ کے موضوع پر کم و بیش ایک صدی پیشتر رسائل کا مجموعہ، تحقیق و تدوین عطا المصطفیٰ مظہری، تصحیح / نظر ثانی یاسر اعجاز شاہ، کتاب محل لاہور،۲۰۱۷ء

۸۔کتاب اللمع،امام ابو نصر سراج طوسی،ترجمہ پروفیسر اسرار بخاری، تخریج احادیث:عطاء المصطفیٰ مظہری، کتاب محل لاہور

۹۔رحمت الباری فی عطاء تقریراتِ بخاری،مولانا محمد اکبر علی(تحقیق:عطاء المصطفیٰ مظہری)،۲۰۱۹ء، عکس پبلی کیشنز،لاہور

آرٹیکلز:

۱۰۔گانگوی خاندان کے معروف علماء،مشائخ اور شعراء: تحقیقی مطالعہ، ششماہی قندیلِ سلیمان،جنوری تا دسمبر۲۰۲۰ء،نظامیہ دار الاشاعت،کھڈ شریف،اٹک

۱۱۔شیخ شہاب الدین سہروردی کے احوال و آثار،ششماہی قندیلِ سلیمان،جنوری تا دسمبر۲۰۲۰ء،نظامیہ دار الاشاعت،کھڈ شریف، اٹک

۱۲۔شیخ ابو القاسم القشیری کے احوال و آثار،ششماہی قندیلِ سلیمان،جنوری تا دسمبر۲۰۲۰ء،نظامیہ دار الاشاعت،کھڈ شریف،اٹک

۱۳۔سید احمد الدین گانگوی کی فقہی تعبیرات: تحقیقی مطالعہ،راحت القلوب، تحقیقی مجلہ ایکس کیٹیگری،
علامہ فیض محمد چشتی:

۱۔وظائف اکبریہ، مرتبہ: علامہ فیض محمد چشتی، انجمن فضلاء اکبریہ میانوالی

علامہ عنایت اللہ خان:

۱۔مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)، تفسیر امداد الکرم (علامہ امداد حسین شاہ) اور تفسیر توضیح القرآن (مفتی تقی عثمانی) کے اسلوب و منہج کا تقابلی مطالعہ، قرطبہ یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

محمد حامد رضا چشتی:

۱۔مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)، علامہ عطا محمد بندیالوی، حیات و خدمات، جی سی یونیورسٹی لاہور

شگفتہ جبین:

۱۔مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)، میانوالی کے علماء و صوفیہ، بیسویں صدی کی نظریاتی کشمکش کے تناظر میں تنقیدی مطالعہ، امپیریل یونیورسٹی لاہور

حواشی

۱۔محمد ریاض بھیروی، ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، ص ۳۲ تا ۴۲

۲۔جمالِ فقر، ص ۲۰۶ تا ۲۱۴

۳۔مولانا مرید احمد چشتی، فوز المقال فی خلفاءِ پیر سیال، جلد ہشتم، ص ۲۸۵ تا ۲۸۷

۴۔فوز المقال فی خلفاءِ پیر سیال، جلد ہشتم، ص ۲۵۷ تا ۲۶۰

۶۔علامہ محمد ریاض بھیروی، دبستانِ اکبری، ششماہی قندیلِ سلیمان (جنوری تا دسمبر ۲۰۲۰ء)، اٹک، نظامیہ دار الاشاعت، مکھڈ شریف، ص ۵۷

۷۔اسد مصطفیٰ، پہلی محمد اشفاق چغتائی ادبی کانفرنس، ۲۰۰۸، نستعلیق مطبوعات، لاہور، ص ۱۴۸۔۱۶۴

☆☆☆☆

[جناب نذر صابری مرحوم محقق، شاعر اور مخطوطہ شناس تھے۔ عمر بھر کتاب کی جستجو میں رہے۔ تحقیق و تنقید، شاعری، اہم متون کی اشاعت، اٹک کے مختلف نجی کتب خانوں کی فہرست سازی کے ساتھ ساتھ وہ ایک پختہ کار ترجمہ نگار بھی تھے۔ اُن کا ذوق کمال کا تھا۔ ملفوظاتی ادب کے ساتھ اُن کا لگاؤ بھی لاجواب تھا۔ وہ جہاں بڑے اہتمام کے ساتھ اپنا روزنامچہ لکھتے تھے۔ جس کی رنگارنگی سے وہی واقف ہے جس نے کبھی اُن کی ڈائری کا ایک آدھ صفحہ پڑھ رکھا ہو۔ علاوہ ازیں وہ اپنے مطالعہ میں رہنے والے ملفوظاتی مجموعوں کا اور بعض اوقات اپنی پسند کی کسی بھی مثنوی یا کسی بھی موضوع پر فارسی میں لکھی گئی نظم و نثر کی کتاب کا اُردو ملخص تیار کر لیا کرتے۔ جو بڑے خاصے کی چیز ہوتی۔ "بشارت الابرار"۔ "تذکرۃ المحبوب"۔ "فوائد الفواد" اور "جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ" کے اُردو ملخص میری نظر سے گذر چکے ہیں۔ اُن کی تحریر میں گو کہ اختصار ہوتا ہے لیکن جامعیت اور ایک خاص کیفیت سے بھرپور نثر پڑھنے کو ملتی ہے۔ زیرِ نظر تحریر بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں صابری صاحب نے کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے ایک مطبوعہ ملفوظاتی مجموعہ "بشارت الابرار" کا اُردو ترجمہ اپنے ذوق سے کیا ہے۔ صابری صاحب کی یہ غیر مطبوعہ تحریر ہدیۂ قارئین ہے۔] گر قبول افتد زہے عزّ و شرف (مدیر)

(ص ۱)

بشارت الابرار (اُردو ملخص)

نذر صابری

مکھڈ شریف کے نسخہ کا نمبر ۱۹۹۹ ہے اور ۸۸ ممتد (صفحات پر مشتمل) ہے۔

"بشارت الابرار فی مناقبِ حضرت خواجہ احمد میرویؒ صاحبِ اسرار"

مولوی نور حسین فتح جنگیؒ

اصل کتاب مولوی محمد نواز کی تھی جو مشکل اور مرصع اسلوب میں تھی۔ جب کہ حضرتؒ کی گفت گو بہت سادہ ہوا کرتی تھی۔ آپ سادہ فارسی کو پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا مولوی نور حسینؒ نے اس کی تسہیل اور ترمیم کی اور یہ حضرت سجادہ نشین کے حسبِ فرمائش ہوا۔

نذر

(ص ۲)

وطن علاقہ چناب تھا۔ قوم کھوکھر۔ سکھوں کے عہد میں کوہستان میں آ گئے۔ جدِّ امجد نے بلوچ لڑکی سے شادی کی۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اُس کا نکاح بھی اُسی قوم (بزدار) کی ایک لڑکی حوّا سے ہوا۔ اس سے دو لڑکے اور ایک لڑکی

پیدا ہوئے۔ ایک خواجہ احمد میروی دوسرے محمد یعقوب، جو طفلی ہی میں فوت ہو گئے۔ لڑکی عائشہ جو آگے چل کر محمد اسحٰق کی ماں ہوئی۔ تونسہ (مقدسہ) کے علاقہ میں شادی کی۔ وہاں سے کبھی کبھی بھائی کو ملنے آتی تھی۔
(ملفوظات: حضرتِ خواجہ میرویؒ، محمد فاضل شاہؒ، شاہ سلیمان تونسویؒ، خواجہ اللہ بخشؒ (تونسوی) اور مؤلف کتاب مولوی محمد نواز کے ہیں۔)

(ص ۳۔۴)

باب اول۔ بعض احوال والد شریف ووفاتِ جدِّ امجد۔

خواجہ نے بتایا کہ ان کے دادا اپنے رُفقا کے ساتھ رات نشیبِ وادی میں سوئے۔ اچانک ریلا نے آلیا۔ آپ اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ کوشش کے باوجود کنارے پر نہ پہنچ سکے۔ ساتھیوں نے لاش نکال کر اُسی وادی میں تجہیز و تکفین اور جنازہ کے بعد دفن کر دیا۔
فرمایا: والد پر جذبِ الٰہی طاری رہتا ہے۔ جنگ (جنگل) میں چلے جاتے، آہ و نالہ کرتے۔ افاقہ ہوتا تو مجھ سے پیار کرتے۔ اکثر مجھ سے پوشیدہ اکیلے صحرا میں چلے جاتے اور وظائف میں مشغول رہتے۔
نیز فرمایا: کہ والد صاحب حضرت تونسویؒ (خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ) کے مرید تھے۔ آخری بار زیارت کے بعد گھر واپس آ رہے تھے۔ منگروٹھہ (تونسہ سے دو کوس) میں بیمار ہو گئے اور فوت ہو گئے۔ مسجد بلوچ خان میں مدفون ہوئے۔ یہ مؤلف چندبار خواجہ کے ہم راہ زیارت سے ممتاز ہوا ہے۔ اب ۱۳۲۸ھ میں بھی آپ کے ہم راہ یہ دولت پائی ہے
(باقی آخر میں)

(ص ۵۔۷)

باب دوم در ذکرِ بیعت

والد کی وفات کے بعد ماموں علی خان کے ہم راہ جو خواجہ تونسویؒ کے مرید تھے تونسہ شریف گئے۔ آپؒ نے بہت توجہ فرمائی۔ واپسی پر شعلۂ عشق تیز ہوا۔ دوبارہ تونسہ روانہ ہوئے۔ والدِ بزرگوار کے مزار پر فاتحہ بعد منگروٹھہ میں مسجد بلوچ خان میں رات گزاری۔ مولوی محمد امین کے ہم راہ آپ کی قدم بوسی کی۔ اور شرفِ بیعت پایا۔ اس کے بعد چار مرتبہ آپ کا

دیدار نصیب ہوا۔ پانچویں بار تونسہ شریف روانہ ہوا۔ تو راستہ میں آپؒ کی وفات کی خبر ملی تو زیارتِ روضہ مبارک کے بعد گھر لوٹ آئے (کوہستان)۔ گھر جا کر سارا مال متاع اقربا کو دے کر (دے کر) تونسہ چلے گئے۔ اور خواجہ اللہ بخشؒ کی اجازت سے مدرسہ میں داخل ہوئے اور سات سال وہیں قیام کیا۔

(ص۹)

ایک روز کلہ گوسفند ہاتھ میں لئے (لیے) شاہِ سلیمانؒ کی قبر شریف کے گرد پھرا۔ پھر آگ جلا کر اس پر اس کلہ گوسفند کو بھوننا چاہا۔ مگر ایک بال بھی نہ جلا۔ میاں جلال الدین کے علاوہ اور دوست بھی جمع تھے۔ انھوں نے بھی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سوچ رہا تھا کہ بات کیا ہے یاد آیا کہ اس کلہ کے ساتھ مزار پاک کا چند بار چکر لگایا تھا۔

(ص۱۵)

استاد کی تونسہ شریف میں بڑی خدمت کی۔ ان کے گھر کی ملازمت بھی کی۔ دیگر طلباء میں یہ بات نہ تھی۔ ایک بار تیرہ روز تک بارش برسی۔ خانۂ اُستاد میں چھت کے ٹپکنے سے سامان خراب ہو رہا تھا۔ میں نے بارش اور سردی میں تنہا چھت کو لپائی کی، استاد اور گھر والے اس سے بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ استاد بیمار ہو گئے تو ان کی تیمار داری کی۔ فوت ہو گئے تو جب تک تونسہ میں رہا استاد کے گھر والوں کا دست بستہ خدمت گذار رہا۔ وفات کے بعد ضرورۃً دوسرے استاد کے پاس سبق کے لیے گیا۔

(ص۱۷)

وبہ خدمتِ خواجہ ثانی صاحب وحضرت احمد خلیفہ خواجہ محمد سلیمان رضی اللہ عنہ و دیگر درویشانِ صحبت داران حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمہم اللہ ملفوظاتِ حضرت خواجہ صاحب و اخلاق و آدابِ مرادانِ عاشقانِ رب العالمین استفادہ نمودم۔

(ص۱۷۔۳۲)

بابِ سوم در ذکرِ سیر و سیاحت

تونسہ مقدسہ میں ۹ سال تعلیم (فارسی نظم و نثر، فقہ) کی تحصیل کے بعد سیر و سیاحت کا شوق غالب ہوا۔ محمد یعقوب متعلم کو ساتھ لیا، ملتان پہنچا۔ ایک مسجد میں "کنز الدقائق" کی آخری جلد کا سبق شروع کیا۔ کچھ فاقے گزرے مگر

کسی کے در مانگنے نہیں گئے۔ حتیٰ کہ محلہ داروں نے از خود مسجد میں طلباء کا روزینہ مقرر کر دیا۔ احمد یار ساکن محلہ نے مجھ سے کتاب "زلیخا" پڑھنا شروع کی اور یعقوب بھی ساتھ شامل ہو گیا اور شب و روز اچھے گزرنے شروع ہو گئے۔

ایک جمعہ کو دیکھا کہ یعقوب کتاب زلیخا کو گود میں لئے (لیے) احمد یار کے سبق کی جگہ کو آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے جانا کہ احمد یار کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لوگوں کی کثرتِ آمد و رفت سے طبیعت کو ملال رہنے لگا۔ عید الفطر کے بعد وہاں سے تونسہ مقدسہ لوٹا۔ یعقوب کو بھی ہمراہ لیا۔ تونسہ میں یعقوب احمد یار کے ہجر میں بیمار ہو گیا۔ تسلی دی کہ صحت مند ہو جاؤ گے تو احمد یار کے پاس ملتان چلیں گے۔ مگر اس کو تسکین نہیں ہوتی تھی۔ خاکِ تونسہ میں خاک ہو گیا۔

حضرتِ ثانیؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مجھے کتنے روز اس کا غم پریشان کرتا رہا۔ پھر اب جو میر اشریف سے پاک پٹن شریف کے ارادہ سے درویشوں کی ہم راہی میں ملتان گیا ہوں۔ احمد یار نے مجھ سے ملاقات کی۔ یعقوب کا پوچھنے لگا۔ موت کا سُن کر اشکبار (اشک بار) ہوا اور کہنے لگا کہ "در آوانِ صحبتِ ایں نیاز مند آں بیچارہ گاہِ زجر و توبیخ نہ کردہ بود۔ دعائے حق برائے من و اُو مرحوم فرمائید کہ بروزِ (بہ روزِ) حشر در بہشت وصالِ لایزال عطا فرمائید۔"

(ص ۱۷۔۲۰)

خواجہ محمد رمضان لاہوریؒ خلیفہ خواجہ تونسویؒ لاہور میں اُن سے ملا۔ ایک دعوت میں جانا ہوا۔ صاحبِ دعوت کنجری نکلی۔ نہایت جمیلہ بازیور آراستہ و بر کرسی کشتہ۔ بہت بے چین ہوا۔ وہاں سے کھسک آیا۔۔۔۔ مولوی سراج الدین انجرہ اس کا راوی (ہے) غالباً ملفوظ نگار ہے۔ نذر

(ص ۲۲۔۲۳)

کلور تحصیل عیسیٰ خیل میں خواجہ میروی طلبِ علم کے دنوں میں چند روز مولوی ملوک علی کے پاس رہے۔ دریا کی طغیانی کلور کی حدود میں پہنچ گئی۔ بڑی بربادی کی۔ آپ کی دُعا سے یہ بلا ٹل گئی اور دریا وہاں سے تین کوس دُور چلا گیا۔ لوگوں کی فریاد پر آپ دریا کے اندر گم ہو گئے اور بڑی دیر تک نہ نکلے۔ "اولیا در آب و آتش می روند بلکہ ہر دو ضد یک دگر کنند"

(ص ۲۴۔۲۷)

ایک روز فرمایا کہ نواب مظفر خان کالاباغ شاہ صاحب کے معتقد تھے اور مجھ دُرویش سے بھی حُسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ ایک روز کہنے لگے اگر تونسہ مقدسہ تنہا جانے کا اتفاق ہو تو مجھ سے ضرور ملیے گا۔ میں نے تسلّی کے لیے بلے کہا۔ ان شاء اللہ۔ ایک روز شاہ صاحب سے اجازت لے کر تونسہ مقدسہ روانہ ہوا۔ شاہ صاحب نے ایک خط نواب کے نام لکھ دیا۔ کوٹ سردار فتح خان کے نزدیک گدھ (گدھے) پر پہنچا۔ نمازِ ظہر کے "دلائل الخیرات" کھولی۔ پہلی بار خط کو پڑھا۔ میرے لیے نوازش سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے پسند نہ آیا۔ اسمِ مبارک کو میں نے نگل لیا اور خط کو پھاڑ کر مسجد کی دیوار میں دھر دیا۔ کالاباغ سے عیسیٰ خیل کی سڑک پر چلتا ہوا نواب کے محلات کے پاس سے منہ چھپا کر گزر گیا۔ راستہ میں ان کا کوئی آدمی مل گیا۔ اُس نے نواب صاحب کو بتا دیا۔ نواب نے گھڑ سوار دوڑا دیا۔ وہ مجھے کوٹ چاند (کوٹ چاندنہ) میں ملا۔ میں نے واپس ہونے سے انکار کیا کہ عزمِ تونسہ کو فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ اس شہر کے لوگ فقیروں کے بہت دِلدادہ تھے۔ اتفاقاً اس مسجد میں ایک اور دُرویش صورت مرد تھا۔ جو مدت سے وہاں مشغولِ عبادت تھا۔ وہ اس معاملہ پر بڑا حیران تھا۔ "کہ نمی دانم کہ اہلِ طریقۂ چشتیاں چہ جادو و سحر بہ دست آمدہ است بہ ہر جا کہ باشند مخلوقات بر سرِ ایشاں چوں مور و ملخ جمع می شوند و ایشاں از خلقت نفوت و فرار می نمایند وہ ہر کسی را ہیچ چیز شمارند۔۔۔۔۔"

ایک میں ہوں مدت سے یہاں ہوں مگر کوئی پوچھتا (نہیں)۔ صبح وہاں سے روانہ ہو کر خواجہ حاجی الیاسؒ کے مزار گوہر بار پر پہنچا۔ ایک ملمع کار دُنیادار تسبیح در دست سے ملاقات ہوئی۔ اس کی باتوں سے دِل برداشتہ ہوا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان پہنچا۔ مسجد میں ایک بوریا پوش چلہ کش کو دیکھا۔ اس کی ایک کج ادائی سے (مرادشنام وسقط گفتن گرفت) دِل برداشتہ ہوا اور تونسہ شریف پہنچا۔

جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔

قسط سوم

تذکرۃ المحبوب

مولانا عبد النبیؒ بھوئی گاڑوی

مترجم: علامہ محمد اسلم

شرقِ چہارم در بیانِ عاداتِ شریفہ کہ بہ موسمِ بہار تعلق دارند

اما بیانِ اجمالی

آں ہا چناں است کہ روز و شب بر خانقاہ شریف می بودند نہ در شہر مگر برائے ضرورت۔
نعم ما قیل

خوش آں دِل کہ شید است بر روئے دوست
خوش آں دِل کہ شد منزلش کوئے دوست

در شبے

بعد از نمازِ عشاء بر چار پائی قد دراز فرمودند۔ فقیر فیض کہ یکے از خادمانِ قدیمی ایشاں بود، نعلینِ مبارکین را موجب عادت بر سن ہا چار پائی معلق ساخت۔ احمد قوال کہ در اخیر سالہا بہ صحبتِ اقدس مشرف شدہ بود۔ گفت کہ ایں امر چرا میکنی یعنی تعریفاً از تعلیق نعلین مبارکین منع کرد، پس آں زینت الاولیاء در جواب فرمود کہ اگر تعلیقِ نعلین نہ کند تار و بہا نعلین مپرند کہ ایں مقام جنگل است، لیکن چوں میاں صاحب مارا پسند است و در ایں جا مقیم اند، لہٰذا ما ہم در ایں جا افتادہ ایم۔ انتہیٰ

بیت

ہر شب منم فتادہ بہ زیرے سرائے تو
ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

سبحان اللہ۔

ہمہ قول و فعلِ ایشاں باخدا و مر سالکاں را بہ وجوبِ اتباعِ شیخ راہ نما بودند۔ و اما بیانِ تفصیلی آن است کہ بہ وقتِ سحر یعنی قبل از صبحِ صادق نمازِ تہجد گوشۂ قطبی شمالی صحن باران دری کہ جانبِ مغرب است ادا می فرمودند (شاید گاہے گاہے بر سقفِ خانہ کہ بہ زمین ہموار ست و بہ جانبِ مشرق باراں دری واقع است) و در مسجد بے سقف کہ آں را بہ زبانِ ہندی "تھلّہ" گویند، نمازِ فجر با جماعت ادا نمودند۔ باز بر مسندِ خود کہ زیرِ سایۂ باراں دری جانبِ مغرب می بود جلوہ نما گشتندے و اکثر خادمان گرداگرد بہ مشاہدۂ جمالِ اقدس

مسرور الوقت بودندے۔ شاید ایشاں بہ خواندن "مسبّعاتِ عشرہ" مشغول بودند و حساب بہ انگشت ہامی گرفتند۔ چناں چہ بسا بار بہ مشاہدہ رسید کہ اول ابہامہ دست مبارک راست را منحنی می ساختند۔ بعدہ سبابہ را بعدہ وسطے را بعدہ بہ نصر را بعدہ خنصر را کشادندے بعدہ بنصر را بعدہ جمیع باقیہ را دفعۃً کشادہ باز از ابہامہ استیناف کردندی۔ ہلم جرا الغرض تا وقتِ چاشت کامل بہ خواندن وظائف خود شغل می داشتند و در این آوان اندک اندک کلام شیرین با مشتاقان نیز می فرمودند۔ بعدہ بہ تدریسِ علومِ ظاہریہ بہ حسبِ طاقتہ می پرداختند تا وقتِ تناولِ طعام۔

بداں کہ تناولِ طعام قریب نصف النہار می فرمودند و گاہے گاہے بعد از تناولِ طعام بہ تدریس نیز شغل می داشتند پس از اں اکثر اندرونِ باراں دری بر چارپائی قیلولہ می فرمودند و گاہے از سبب شدّتِ گرمی در حجرہ کہ در حرم روضۂ مطہرہ کہ مابینِ صفتین واقع است روز را بر می بردند۔

پس بر شقِ اول

در اوائل ایّام بہ وقتِ ظہر وضو در صفۂ باراں دری ساختہ در مسجد پختہ کہ متصل روضہ مطہرہ است نماز ادا می فرمودند۔ بعدہٗ بہ طرفِ روضہ مقدسہ تشریف می بُردند و در اخیرہ ایّام نمازِ ظہر در باراں دری یا در صفۂ او ادا می فرمودند، و بہ طرفِ مسجدِ پختہ از سببِ ضعفِ جسمانی تکلف نہ کردی۔ بداں کہ بعد از نمازِ ظہر تا وقتِ عشاء بہ وظائف خود شغل می داشتند و اندک اندک کلامِ تمکین با بے دلاں نیز می فرمودند۔

و بر شقِ ثانی

وضو اکثر دراں حجرہ ساختہ شاید نمازِ ظہر نیز دروے می فرمودند واللہ اعلم۔ و نمازِ عصر را بہ مسجد بے سقفِ ادا فرمودندے و از سببِ ضعفِ جسمانی گاہ گاہ بر مسندِ خود نیز ادا می فرمودند و نمازِ عشائین را در اوائلِ ایّام دریں مسجد بے سقفِ ادا می فرمودند و در ایّام اخیرہ بر مسندِ خود۔ چناں چہ حضرت مسند نشین صاحب می فرمانید کہ در ماہِ رمضان اخیرہ حافظ خیر محمد بن حافظ محمد پراچہ را برائے سماعِ قرآن مجید در تراویح بر سقفِ ہموار امام ساختہ بودند۔ و مسندِ ایشاں دریں سال نیز ہمیں سقف بود لیکن چوں بعض رمضان منقضی شد حافظ خیر محمد مذکور اتفاقاً بیمار گشت۔ پس حافظ محمد قاسم بن حافظ مقیم پراچہ را نائب او کردند و ختمِ قرآنِ مجید را بسماع رسانند و قبل از یں سال از حافظ احمد اقوالی سماعِ قرآن مجید در تراویح دریں موسم بہار در مسجد بے سقفِ می فرمودند۔ حضرت مسند نشین صاحب می فرمانید کہ دریں موسمِ بہار در بعضے سالہا بہ وقتِ عشاء بہ شہر قدم رنجہ فرمودہ سماعِ قرآن در تراویح کردہ باز در ہموں شب بہ زیارت مراجعت می فرمودند۔ واللہ اعلم

گاہے گاہے دریں موسمِ بہار بہ طرفِ شہر برائے ضرورت مثلِ اجابۃ دعوۃ یا عیادۃ یا برائے طلبیدن کدام کتاب از کتب یا غیر ذٰلک تشریف می فرمودند و نیز گاہے گاہے ہم دریں موسم شب ہا در شہر بہ بنگلہ شریفہ بہ سر می بُردند۔ و اگر اتفاق روز گذارد حتیٰ نیز افتد تا بہ وقتِ چاشت بعد از فراغت وظائف در صحنِ مسجد بہ سایۂ دیوار جلوس فرمودہ بہ تدریس شغل داشتندی و قیلولہ زیر سقفِ بنگلہ

شریفہ مقابل دروازہ مسجد می فرمودندی۔ بداں کہ کلی حالات در ضبط نمی آیند لہٰذا، بہ ذکرِ بعض ضروریہ معلومہ بلاواسطہ یا بہ واسطہ حضرت مسند نشین صاحب اکتفاء رفت۔

شرقِ پنجم در بیانِ عاداتِ شریفہ کہ بہ موسمِ سرماء رشتہ پیوندند

نمازِ فجر با جماعت در مسجد کلاں ادا نمودہ بر بنگلہ شریفہ جلوہ نما گشتہ۔ ناظراں را بہ جمال مسرور الوقت می ساختند و بہ وظائف شغل می داشتند و کم ترمر ہم گفت گو بر دل دل افگاراں نیز می نہادند۔ ہمیں ساں تا وقتِ تناولِ طعام می بودند۔

بداں کہ تناولِ طعام بہ وقتِ چاشت می فرمودن بعد ازاں در اوائلِ ایّام بہ مع چند خادمان بہ ذاتِ خود بہ طرفِ روضۂ اقدس عصا در دست گرفتہ تکلف می فرمودند۔ و در پسین ایّام در چوپان شریف سوار شدہ تشریف بہ روضۂ اقدس می آوردند۔ پس در صفہ باراں دری شریف جانبِ جنوب قریب مسجدِ بے سقفِ کہ پرَتوِ آفتاب دراں موقع می اُفتد مسند آرا گشتہ۔ بہ تدریسِ علمِ ظاہر یہ بہ حسبِ طاقت می پرداختند و قیلولہ ہم براں مسند می کردند، و نمازِ ظہر را در مسجدِ بے سقفِ ادا نمودہ بر روضۂ مطہرہ تشریف می بردند۔ بعدہٗ از روضۂ مطہرہ عُود نمودہ باز بر مسندِ خود جلوہ نما گشتہ بہ وظائفِ خود شغل می داشتند و مشتاقاں را بہ جمالِ خویش خوش وقتِ ہمی ساختند و اندک اندک کلام ہم با حاضرین ہمی فرمودند تا وقتِ عصر بعدہٗ نمازِ عصر را دراں مسجد ادا نمودند۔ حضرت مسند نشین صاحب می فرمایند کہ در ایّامِ پسین چوں کہ ضعف زیادہ شد پس نمازِ ظہر را شاید عصر را نیز بر مسندِ خود ادا کردہ۔ بعدہٗ تعظیم روضہ بجا آوردہ عازمِ شہر می بودند۔

پس در اولیں ایّام عصا بہ دست کردہ بہ مع چند خادمان و در پسین ایّام بہ سواری چوپان تشریف بہ سمتِ شہر بہ مسجد می بردند، در مسجد جانبِ قطب تا شام جلوہ نما گشتند۔ بعدہٗ نمازِ شام را ادا کردہ بر بنگلہ شریفہ تشریف بردہ بہ شغلِ خود مصروف می بودند تا وقتِ تناولِ طعام۔

بداں کہ تناولِ طعام در اول وقت عشاء می فرمودند۔ پس از ادا نمازِ عشاء در مسجد کلاں در اوائل ایّام بہ دولت خانہ خود تشریف بردندی۔ دورِ پسین سالہا در بنگلہ شریفہ خود شب را با خدا بسر بردندی و دراں سالہا چوں ضعف زیادہ طاری شد، پس نمازِ فجر و عشاء را بر بنگلہ شریفہ۔ فقیر فیض را امام ساختہ ادا می فرمودند و در بعض از اوائل سالہا چوں بعد از نمازِ عشاء بہ دولت خانہ خود تشریف می بردند، پس اولاً در خانہ کہ مملوک حضرت مسند نشین صاحب است جلوس نمودہ۔ تدریسِ علومِ ظاہر یہ می فرمودند بعدہٗ بہ خانہ اصلی خود تشریف می بردند۔ پس وقتِ نمازِ صبح از دولت خانہ طلوع نمودہ۔ مسجد کلاں را منزل گاہِ خود می ساختند۔ بعد از نمازِ فجر بر بنگلہ شریفہ جلوہ نمودہ تا وقتِ تناول طعام بہ وظائف خود شغل می داشتند۔ بعدہٗ بر روضہ مقدسہ تشریف می آوردند۔ ہلم جرا (کذا) و دراں موسمِ سرما در

ماہِ رمضان از حافظ احمد اقوالی سماعِ قران (قرآن) شریف در تراویح در مسجد کلاں می فرمودند۔ چناں چہ راقم آثم در زمانہ طالب علمی در ۱۲۸۷ھ تخمیناً۔ نیز سماعِ قرانی (قرآنی) بہ مصحوبیۃ آں زینت الاولیاء در ایں موسمِ سرما از حافظ احمد اقوالی دراں مسجدِ کلاں کردہ بود۔

بداں کہ ختم بہ تاریخ بیست و چہارم (۲۴) می کردند و حافظ مذکور میگوید کہ بیست و ہفت سال سماعِ قرانی (قرآنی) مرا ایشاں را در تراویح کنانیدہ بودم۔

ترجمہ:

شرقِ چہارم:

آپ کی ان عادات کے متعلق جو موسمِ بہار سے تعلق رکھتی ہیں۔

جن کا اجمالی بیان کچھ یوں ہے۔

آپ شب و روز خانقاہ شریف (حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ) پر ہی گزارتے۔ شہر تشریف لے جاتے مگر بہ وقتِ ضرورت۔

جیسا کہ کہا گیا ہے۔

---   وہ دِل کیا ہی خوبصورت ہے جو روئے دوست کا شیدا ہے۔ وہ دِل کیسا ہی حسین ہے جس کی منزل کوچۂ جاناں ہے۔

رات کے وقت نمازِ عشاء کے بعد چارپائی پر آرام فرماتے۔ فقیر فیض جو آپ کے پُرانے خُدّام میں سے تھا۔ نعلین مبارک عادت کے مطابق چارپائی کے ساتھ لٹکا لیتا۔ احمد قوال جو آخری سالوں میں حضرت کی صحبت سے مشرف ہوا۔ کہنے لگا کہ یہ کام کیوں کرتے ہو۔ یعنی نعلین کو چارپائی کے ساتھ لٹکانے سے منع کرتا۔ اُس کے جواب میں زینت الاولیاؒ نے فرمایا کہ اگر جوتے چارپائی کے ساتھ نہ لٹکائیں تو لومڑیاں اُسے اُٹھا کر لے جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ مقام جنگل ہے۔ چوں کہ ہمارے میاں صاحب (حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ) کو یہ جگہ پسند تھی۔ اور آپ یہاں تشریف فرما رہتے۔ اسی لیے میں یہاں مقیم ہوں۔

---   ہر رات میں تیرے محل کے زیرِ سایہ پڑا رہتا ہوں اور ہر روز تیرے فراق میں آہ و نالہ کرتا ہوں۔ سبحان اللہ

ان مردانِ خدا اور سلوک کے راہیوں کا قول و فعل اپنے شیخ کے اتباع میں ہوتا ہے۔ اور تفصیلی بیان یہ ہے کہ وقتِ سحر یعنی قبل از صبح صادق نمازِ تہجد بارہ دری کے گوشۂ قطب شمالی جو کہ مغرب کی طرف ہے' میں ادا فرماتے۔ اور شاید کبھی (بارہ دری) کے شرقی جانب جو ہموار زمین چھتی ہوئی (بارہ دری) کا حصّہ تھا اُس میں ادا فرماتے۔ اور بغیر چھت کے مسجد جس کو زبانِ ہندی میں "تھلہ" کہتے ہیں۔ نمازِ فجر با جماعت ادا فرماتے۔ کئی بار بارہ دری کے غربی جانب چھتی ہوئی نشست پر (جو حضرت ہی کے لیے خاص تھی) تشریف فرما ہوتے اور اکثر خُدّام آپ کے گرد اگرد مشاہدۂ جمالِ اقدس کے لیے خوش وقتی حاصل کرتے۔

شاید اس وقت آپ "مسبعاتِ عشرہ" کے پڑھنے میں مشغول رہتے۔ اور اُنگشت مبارک پر اُس کی گنتی فرماتے۔ چناں چہ کئی بار مشاہدہ کیا گیا ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا ٹیڑھا فرماتے پھر شہادت کی اُنگلی، پھر وسطی پھر بنصر اور پھر خنصر کو، اسی طرح کشادگی میں سب سے پہلے آپ خنصر کو کھولتے، بعد ازیں تمام کو اسی ترتیب سے کھولتے تھے۔ الغرض وقتِ چاشت تک مکمل وضائف پڑھنے میں مشغول رہتے۔ اور اِس دوران کلامِ شریں بھی عشاقان سے فرماتے رہتے۔ اس کے بعد حسبِ طاقت علومِ ظاہریہ کی تدریس میں وقتِ تناول تک مشغول رہتے۔

آپ نصف النہار کے قریب کھانا تناول فرماتے اور کبھی کبھی کھانا تناول فرمانے کے بعد بھی تدریس میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے بعد بارہ دری کے اندر چارپائی پر قیلولہ فرماتے اور کبھی شدّتِ گرمی کی وجہ سے روضہ شریف کی حدود میں دو صفوں کے درمیان حجرہ میں دن گزارتے۔ پھر عمر کے اوائل ایّام میں ظہر کے وقت وضو بارہ دری کے چبوترہ میں فرماتے۔ اور روضہ شریف کی طرف حاضری کے لیے حاضر ہوتے اور عمر کے آخری ایّام میں نمازِ ظہر بارہ دری یا چبوترہ پر ادا فرماتے۔ اور ضعفِ جسمانی کی وجہ سے پختہ مسجد کی طرف حاضر نہ ہو سکتے۔ تاہم نمازِ ظہر کے بعد وقتِ عشاء تک وظائف میں مشغول رہتے اور حاضرین سے خوش گفتاری فرماتے۔ اور آخری عمر میں اکثر وضو حجرہ شریف میں فرمانے کے بعد نمازِ ظہر بھی حجرہ میں ادا فرماتے۔ اور نمازِ عصر "تھلّہ" پر ادا فرماتے، کبھی ضعفِ جسمانی کی وجہ سے اپنی مسند پر بھی ادا فرما لیتے۔ اور نمازِ مغرب اور عشاء اوائل ایّام میں "تھلّہ" پر ادا فرماتے اور آخری ایّام میں اپنی مسند پر ہی ادا فرما لیتے۔

حضرت مسند نشین (مولانا غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ) کے فرمان کے مطابق آخری سال میں قرآنِ مجید ماہِ رمضان شریف میں حافظ خیر محمد بن حافظ محمد پراچہ سے سماعت فرمایا تھا۔ البتہ کچھ رمضان شریف کے گزر جانے کے بعد حافظ خیر محمد بیمار ہوئے تو قرآنِ پاک حافظ محمد قاسم بن حافظ مقیم پراچہ نے سنایا تھا۔ نیز ایک سال قبل اسی "تھلّہ" پر موسمِ بہار میں حضرت نے حافظ احمد اقوالی سے بھی قرآنِ شریف سماعت فرمایا تھا۔ حضرت مسند نشین کے فرمان کے مطابق بعض دفعہ آپ عشاء کے وقت کھڈ شہر کی طرف بھی قدم رنجہ فرما کر نمازِ تراویح میں قرآنِ مجید کی سماعت کے لیے تشریف لے جاتے۔ اور بعد از نمازِ تراویح دربار شریف تشریف لے آتے۔ اور گاہے گاہے کھڈ شہر کی طرف کسی ضرورت مثلاً قبولِ دعوت، عیادتِ مریض یا کسی کتاب وغیرہ کے لیے بھی تشریف لے جاتے۔ اگر کبھی وہاں رات گزارنے کا اتفاق ہو تا تو آپ بنگلہ شریف میں بسر فرماتے۔ اور اگر دِن گزارنے کا اتفاق ہو تا تو وظائف سے فراغت کے بعد وقتِ چاشت تک مسجد کے صحن میں دیوار کے سائے میں تشریف فرما کر درس و تدریس کا شغل فرماتے۔ اور قیلولہ بنگلہ شریف کی چھت کی نیچے مسجد کے دروازے کے مقابل قیلولہ فرماتے۔

فائدہ: آپ کے تمام احوال کلی طور تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ تاہم بعض معلومات ضرور یہ بلا واسطہ یا حضرت مسند نشین کے واسطے سے تحریر میں لائی گئی ہیں۔

شرقِ پنجم

موسمِ سرما میں آپ کی عاداتِ شریفہ کے بیان میں ہے۔

آپ نمازِ فجر با جماعت بڑی مسجد میں ادا فرما کر بنگلہ شریف میں تشریف فرما ہو کر ناظرین کو اپنی زیارت سے مشرف فرماتے اور وظائف میں بھی مشغول رہتے اور حاضرین سے ہلکی پھلکی گفت گو بھی فرماتے۔ وقتِ طعام تک آپ کا یہی معمول ہو تا۔ آپ

چاشت کے وقتِ طعام تناول فرماتے۔ بعد ازیں اوائل عمر میں چند خُدّام کے ساتھ عصامبارک ہاتھ میں لے کر روضہ شریف کی طرف تشریف لے آتے۔ اور آخری عمر میں آپ چوپان شریف پر روضہ شریف کی طرف تشریف فرماہوتے۔ بعد ازیں بارہ دریں کے چبوترہ (مسجد کے جنوب کی جانب تھلّہ) پر تشریف فرماہو کر علومِ ظاہریہ کی تدریس میں مشغول ہو جاتے۔ اور قیلولہ بھی اپنی مسند پر ہی فرماتے۔ نمازِ ظہر تھلّہ پر ادا فرما کر روضہ شریف پر تشریف لے جاتے۔

روضہ شریف کی حاضری کے بعد اپنی مسند شریف پر تشریف فرماہو کر وظائف میں مشغول ہو جاتے اور اس دوران ناظرین سے گفت گو بھی فرماتے رہتے۔ نمازِ عصر مسجد میں ادا فرماتے۔ حضرت مسند نشین کے فرمان کے مطابق آخری عمر میں چوں کہ ضعف زیادہ بڑھ گیا تھا تو آپ نمازِ ظہر اور عصر اپنی مسند شریف پر ہی ادا فرماتے۔ اس کے بعد روضہ شریف کی تعظیم فرمانے کے بعد کھڈ شہر کی طرف تشریف لے جاتے۔ البتہ اوائل ایّام میں ہاتھ مبارک میں عصا لے کر اور آخری ایّام میں چوپان کے ذریعہ کھڈ شہر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے۔ اور مسجد کی جانبِ قطب (شمال) شام تک تشریف فرماہوتے۔ نمازِ مغرب کے بعد بنگلہ شریف میں تشریف فرماہوتے اور وقتِ طعام تک مصروفِ وظائف رہتے۔ آپ طعامِ عشاء مسجد میں ادا فرما کر اپنے دولت خانہ میں تشریف لے آتے۔ آخری ایّام میں بنگلہ شریف میں شب باشی فرماتے اور جب ضعف زیادہ ہو گیا تو نمازِ فجر و عشاء بنگلہ شریف میں فقیر فیض کی امامت میں ادا فرماتے تھے۔

بعض دفعہ نمازِ عشاء کے بعد تشریف لاتے تو اوّلاً آپ حضرت مسند نشین کی حویلی میں تشریف فرماہو کر علومِ ظاہریہ کی تدریس فرماتے۔ اس کے بعد اپنی حویلی میں تشریف لے جاتے۔ صبح کے وقت اپنے گھر سے مسجد شریف میں نماز کے لیے تشریف لاتے۔ نمازِ فجر کے بعد بنگلہ شریف میں جلوہ نماہوتے۔ وقتِ طعام تک وظائف میں مشغول ہوتے۔ بعد ازیں روضہ شریف کی طرف تشریف لے آتے۔ اسی موسم میں آپ نے ماہِ رمضان شریف میں حافظ احمد اقوالی سے بڑی مسجد میں نمازِ تراویح میں قرآنِ پاک کی سماعت فرمائی۔ نیز راقم (مولانا عبدالنبی بھوئی گاڑوی) نے زمانہ طالب علمی ۱۲۸۷ھ میں حضرت زینت الاولیاء کی صحبت میں مذکورہ حافظ صاحب سے قرآن شریف سماع کیا تھا۔

فائدہ۔ ختم شریف چوبیس (۲۴) رمضان کو ہوتا تھا۔ حافظ صاحب مذکور فرماتے کہ میں نے حضرت کو ستائیس (۲۷) مرتبہ قرآن شریف نمازِ تراویح میں سنایا تھا۔

سفرنامے

قونیہ میں ایک ہندوستانی چشتی بزرگ کا مزار

عارف نوشاہی

یہ دسمبر ۲۰۰۹ کی بات ہے۔ بین الاقوامی شمس تبریزی سمپوزیم میں شرکت کے لیے دوست گرامی پروفیسر معین نظامی اور راقم السطور قونیہ، ترکی گئے۔ ۱۵ دسمبر کی صبح مولانا کلچرل سنٹر، قونیہ میں، سمپوزیم کا پہلا سیشن ہوا۔ اسی روز دوسرے سیشن میں ہم دونوں نے مقالات پڑھے۔ معین نظامی کا اور میرا مقالہ ایک ہی نشست میں تھا۔ اس نشست کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمود ارول قلیچ (*Mahmud Erol Kılıç*) نے کی جو تصوف کے حوالے سے ترکی کی بڑی قد آور علمی شخصیت ہیں اور حکومتِ ترکی کی طرف سے مختلف علمی اداروں کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ آج کل اسلامی ممالک کے تعاون کی تنظیم کے ذیلی ادارے مرکزِ تحقیق برائے اسلامی تاریخ، فن و ثقافت (**IRCICA**) استنبول کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ معین نظامی صاحب نے اپنے مقالے میں چشتی بزرگوں کا بہ تکرار ذکر کیا تو ڈاکٹر محمود نے آخر میں اپنے تبصرے میں کہا کہ ترکی اور چشتیہ مشائخ کے تعلقات کی ایک مثال قونیہ میں واقع ایک ہندوستانی چشتی بزرگ کا زاویہ ہے! یہ خبر ہم دونوں کے لیے نئی اور دل چسپ تھی۔

سیشن ختم ہوا تو ہم نے اس چشتی زاویے پر جانے کی خواہش کا اظہار ڈاکٹر محمود سے کیا۔ انھوں نے حاضرین میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بلایا۔ یہ قونیہ میونسپلٹی کے تحت قائم مخطوطات لائبریری کے ڈائریکٹر بکر شاہین (**Bekir Sahin**) تھے۔ میں انھیں اپنے ایک گذشتہ سفر ترکی کے وقت سے جانتا تھا۔ ڈاکٹر محمود نے ہمیں ان کے سپرد کیا اور کہا کہ ہمیں اس چشتی بزرگ کے زاویے پر لے جائیں۔ مولانا کلچرل سنٹر سے ہم تینوں باہر نکلے تو ایک چالیس سالہ ترک خاتون بھی ہمارے پاس آ گئی۔ اس نے اپنا عرفی نام کاملہ بتایا، اصل نام اویا پاکر (**Oya Paker**) تھا۔ سمپوزیم کے سیشن میں جب ہم نے مقالات پڑھے تھے، وہ وہاں موجود تھی۔ بعد میں چشتیہ کے حوالے سے جو سوال و جواب ہوا تھا، وہ بھی اس نے سنا تھا۔ کاملہ نے اپنے تعارف میں مزید بتایا کہ وہ اجمیر شریف جا چکی ہے اور خواجہ معین الدین چشتی کی عقیدت مند ہے۔ اجمیر اور خواجہ معین الدین چشتی کا نام اس کی زبان پر آنا تھا کہ نظامی صاحب نے وفورِ شوق اور جوشِ عقیدت میں بڑھ کر اس کی دست بوسی کر لی۔ ہم نے کاملہ کو بھی ساتھ لیا اور گاڑی میں بیٹھ کر چاروں اس چشتی زاویے کی طرف چلے۔

بکر شاہین کو وہ جگہ معلوم تھی۔ وہ ہمیں قونیہ کی مچھلی مارکیٹ کے عین وسط میں واقع ایک عمارت پر لے گئے، جہاں فضل حسین چشتی کے مزار کی تختی نصب تھی۔ اندر گئے تو قبر پر کتبہ بزبانِ ترکی تھا جس پر ان کا نام شیخ فضل حسین بن گوہر علی چشتی ساکن احمد پور ہندوستان لکھا تھا اور سالِ وفات ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء درج تھا۔ چونکہ شیخ، ہندوستانی تھے اور ترکی زبان سے نابلد، یہاں ترکی میں ہر

بات یا سوال پر خاموش رہتے تو ترکوں نے ان کا نام "شیخ سوے لے مز" (Şeyh Söylemez) رکھ دیا جس کا ترکی میں مطلب ہے "جواب نہ دینے والا شیخ"، جیسے ہمارے ہاں "چُپ شاہ" نام ہے بس اسی کا مترادف سمجھ لیجیے۔ ہمارے ایک اور ترک دوست ڈاکٹر نجدت طوسون (Necdet Tosun) نے تحقیق کے بعد بتایا کہ شیخ کے دادا کا نام بدیع الزمان تھا۔ شیخ فضل حسین کا مولد احمد پور، سید سراواں، نزد الہ آباد ہے۔ وہ تقریباً ۱۸۴۷ء میں قونیہ پہنچے اور وہاں چشتی تکیہ بنایا۔ گورنر، امیر اور کئی عمائدین ان کے مرید تھے۔ لیکن شیخ کی وفات کے بعد ان کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

شیخ نے اپنا سلسلہ نامہ اور طریقت نامہ (فارسی یا اردو، معلوم نہ ہو سکا) بھی لکھا تھا لیکن اب یہ دونوں رسائل مفقود ہیں۔ بہ ہر حال یہ تحقیق کا اچھا موضوع ہو سکتا ہے۔

معین صاحب چونکہ خود طریقتہً چشتی نظامی ہیں، انھوں نے قونیہ میں اپنے ہم مشرب، چشتی بزرگ کا مزار دیکھا تو ان کی وارفتگی اور بڑھ گئی۔ ہم نے وہاں فاتحہ خوانی کی۔ معین صاحب نے جبین نیاز سے بوسہ دیا۔ ان کی ناک پر درگاہ کی خاک لگ گئی۔ میں نے صاف کی تو کہنے لگے: رہنے دیجیے یہ خاکِ چشتیہ ہے۔

شام ڈھل چکی تھی۔ بکر شاہین ہمیں تھوڑی دیر پیدل چلا کر اپنے دفتر میں لے گئے۔ اگرچہ یہ مخطوطات کی لائبریری تھی اور بقول بکر شاہین، کتب خانۂ سلیمانیہ کے بعد ترکی میں دوسرا بڑا ذخیرۂ مخطوطات ہے۔ لیکن ہمارا سارا وقت مخطوطات کی بجائے، فضل حسین چشتی پر مزید تحقیقات میں ہی گذرا۔ بکر صاحب نے فون کر کے ایک اور محقق یوسف کوچکداغ (Yusuf Kucukdag) کو بھی بلا لیا جنھوں نے اپنی ایک کتاب Turk Tasavvuf Arastirmalari (مطبوعہ ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۷۔۱۵۹) میں فضل حسین چشتی پر کافی تحقیق کی ہے۔ انھوں نے زبانی بھی کچھ روشنی ڈالی اور اپنی کتاب معین صاحب کو دے دی۔ یہ کتاب ترکی کے اولیا کا تذکرہ ہے۔ بکر شاہین نے ہمیں ترکی مخطوطات کا ایک یونین کیٹلاگ، بزبان ترکی، گیارہ جلدوں میں دیا۔ میرے لیے یہی حاصلِ ملاقات تھا۔

کاملہ ہمارے ساتھ تھی۔ اس سے ہم جلد ہی گھل مل گئے۔ وہ سلسلۂ چشتیہ سے خوب واقف تھی اور خواجہ معین الدین چشتی کا نام ادب سے "خواجہ غریب نواز" کہہ کر لیتی تو مزید اپنائیت محسوس ہوتی۔ برّصغیر کے عقیدت مند بھی حضرت خواجہ کو اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ معین نظامی صاحب نے مزید اپنائیت کے لیے نکتہ سنجی کی کہ ازمیر کو بنگال میں اجمیر، اور اجمیر کو ازمیر تلفظ کرتے ہیں۔ چونکہ کاملہ کا تعلق ازمیر ترکی سے تھا، اس لیے اسے "اجمیری" بھی کہا جا سکتا ہے۔

قونیہ گئے تو ہم شمس تبریز اور مولانا روم کی زیارت کے لیے تھے لیکن ان کے فیضان سے وہاں ایک ہندوستانی چشتی بزرگ کے مزار کی بھی زیارت ہو گئی۔ جن کا ذکر غالباً پہلے کسی ترکی مسافر نے نہیں کیا ہو گا۔ معین نظامی صاحب کا ارادہ قونیہ میں دستیاب

ہونے والی کتاب کی روشنی میں اور کچھ مقامی مآخذ میں جستجو کے بعد اس چشتی بزرگ پر مقالہ لکھنے کا تھا، معلوم نہیں وہ لکھ سکے یا نہیں۔ سید سراواں میں خانقاہ عارفیہ مشہور ہے۔ اس خانقاہ کے ذیلی ادارے شاہ صفی اکیڈمی سے وابستہ ابو سعد حسن سعید صفوی صاحب بہت صاحبِ ذوق نوجوان ہیں اور تصوف پر عمدہ کتابی سلسلے '' الاحسان '' کے مرتب ہیں۔ وہ ضرور اس چشتی بزرگ کے پس منظر پر مزید روشنی ڈال سکیں گے۔ ترکی زبان جاننے والے حضرات **Şeyh Fazıl Hüseyin Söylemez** لکھ کر گوگل کر سکتے ہیں۔

(تحریر ۳۰ نومبر ۲۰۲۱ء)

☆☆☆☆

قونیہ شریف (ترکی) میں ایک چشتی بزرگ کا مزار

افتخار احمد حافظ قادری☆

ایک طویل عرصہ قبل تاجدارِ گولڑہ شریف کے اکلوتے فرزند حُضور قبلہ سید غلام محی الدین المعروف بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں پڑھا تھا کہ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں چار مرتبہ قونیہ شریف میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ مقدسہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا تھا اور غالباً پہلی حاضری پچاس کی دھائی میں ہوئی تھی۔ اس موقع پر مزار حضرت مولانا روم کو معمول کے اوقات سے ہٹ کر آپ کی خصوصی حاضری اور محفلِ سماع کے لیے کھولا گیا تھا، اس محفل کے اختتام پر حضور قبلہ بابوجی واپس اپنے ہوٹل تشریف لائے تو ایک ۷۲ سالہ بخاری سید زادے جو کہ اس وقت ۴۰ سال سے قونیہ شریف میں مقیم تھے، آپ سے ملاقات کے لیے پہنچے اور قبلہ بابوجی سے فرمایا کہ سرزمینِ ہند کے ایک بزرگ سید فضل حسین چشتی بن گوہر علی یہاں قونیہ شریف میں مدفون ہیں۔ وہ گزشتہ رات میرے خواب میں آئے ہیں اور مجھ سے فرمایا، ”ہمارے ملک سے ایک سید تشریف لائے ہیں، کیا اُنھیں ہماری خبر نہیں“؟ جس پر قبلہ بابوجی صاحب نے فرمایا کہ ان شاء اللہ اُن کے مزار پر حاضری کے لیے ضرور جائیں گے اور پھر اُسی روز نمازِ ظہر کے بعد اس ولی کامل کی بارگاہ میں حضرت قبلہ بابوجی نے حاضری کی سعادت حاصل کی۔

جب سے اس ولی کامل کے بارے میں پڑھا تو میں نے ان کے نام مبارک کو اپنے ذہن میں اس لیے محفوظ کر لیا تھا کہ زندگی میں جب بھی حضرت رومی کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوگی تو اس ولی کامل چشتی بزرگ کی بارگاہ میں بھی حاضری دوں گا۔ وقت تیزی سے گزرتا گیا اور پھر سال ۱۹۹۵ء سے سال ۲۰۱۱ء تک چار مرتبہ زیاراتِ ترکی اور بالخصوص حضرت پیر رومی کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہا لیکن تلاش کے باوجود بھی اس چشتی بزرگ کی بارگاہ میں حاضری نہ ہو سکی اور وجہ یہ تھی کہ میں سید فضل حسین چشتی کے نام سے مزار تلاش کرتا رہا، جب کہ کوئی بھی ترکی اس ہندی نام سے آشنا تک نہ تھا۔ اب پانچویں بار دسمبر ۲۰۲۱ء میں حضرت مولانا جلال الدین رومی کے ۷۴۸ویں سالانہ عرس مبارک کے موقع پر منعقدہ تقریبات میں شرکت کا پروگرام بنا تو اس سفر مقدس کی تیاریوں کے دوران ایک دن مکرمی جناب سید احمد اقبال ترمذی صاحب کے ہمراہ درود و سلام کی ایک کتاب کے سلسلہ میں اسلام آباد کی سڑکوں پر رواں تھا، میرے محترمی سید صاحب فرمانے لگے کہ اگر تھوڑا سا وقت ہو تو اوپن یونیورسٹی میں ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب کے ساتھ کچھ کام ہے ان سے مل لیتے ہیں۔ چناں چہ ان کے دفتر جا پہنچے۔ ابتدائی ملاقات اور تواضع کے بعد ڈاکٹر صاحب کو جب معلوم ہوا کہ میں اگلے چند دنوں میں قونیہ شریف کے سفر جا رہا ہوں تو وہ مجھے فرمانے لگے کہ بھئی وہاں ایک چشتی بزرگ بنام ”شاہ خاموش“ کا مزار ہے، وہاں ضرور حاضری دینا اور بتایا کہ ہمارے دو احباب (جناب ڈاکٹر معین نظامی اور جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی)

محقق و سفر نامہ نگار۔ افشاں کالونی، راولپنڈی کینٹ

ایک عرصہ قبل حاضری بھی دے چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب سے جب میں نے لوکیشن کا پوچھا تو فرمانے لگے کہ وہ بزرگ "شاہ خاموش" کے نام سے معروف ہیں۔ آپ سلجوق یونیورسٹی کے اردو ڈیپارٹمنٹ کے کسی پروفیسر سے معلوم کرسکتے ہیں اور ساتھ ڈاکٹر صاحب خود بھی فرمانے لگے کہ بھئی میں نے نیٹ پر بہت تلاش کیا، مجھے کچھ نہیں ملا۔ اس مختصر سی ملاقات کے بعد ہم باہر آکر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے اور میرا ذہن ماضی کی محفوظ یاداشتوں میں کھو گیا۔ کہیں یہ وہی بزرگ نہ ہوں جن کی بارگاہ میں ۵۰ کی دہائی میں حضور قبلہ بابو جی سرکار نے حاضری دی تھی اور میں بھی سال ۱۹۹۵ء سے اسی بزرگ کی تلاش میں ہوں۔

قبلہ سید احمد اقبال ترمذی صاحب، انعام الرحیم صاحب، محمد عثمان قادری اور یہ بندہ خود بھی انٹرنیٹ پر اس تلاش میں لگ گئے کہ سلجوق یونیورسٹی کے اردو ڈپارٹمنٹ میں کسی ذمہ دار سے رابطہ ہو تو ان سے بات کریں اور کافی سوچ کے بعد سلجوق یونیورسٹی کے اُردو ڈیپارٹمنٹ کے ایک پروفیسر جناب ڈاکٹر رجب درقون صاحب سے رابطہ ہوا، لیکن ان سے بھی یہی معلومات ملیں کہ اس نام "شاہ خاموش" سے کوئی درگاہ موجود نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے بڑی مہربانی اور شفقت سے فرمایا کہ وہ اس پر خود مزید تحقیق اور معلومات حاصل کر کے ہمیں بتائیں گے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے قونیہ شریف میں مقیم تاریخ کے ایک پاکستانی ڈاکٹر عامر علی صاحب کا بھی ہم سے رابطہ کرایا اور بالآخر ڈاکٹر رجب درقون صاحب کی کوششوں اور بالخصوص ڈاکٹر محمود ایرول کلیلیچ سے رابطے کے بعد ہمیں اس بزرگ کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں اور یہ عقدہ اُس وقت کھلا جب ہمیں پتہ چلا کہ قونیہ میں ان کو BABA SOLEYMEZ یعنی خاموش بابا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور بابا کے نام سے مشہور ہونے کی دو توجیہات ملیں کہ ایک تو آپ ہند سے تشریف لائے تھے اور ترکی کی زبان پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے کم گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ دوسری یہ کہ اولیائے کاملین اُس حدیثِ نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہیں کہ اچھی اور بھلائی والی بات کرو، یا خاموش رہو۔ اسی خاموشی کی وجہ سے اہلِ قونیہ آپ کے اصلی نام کو بھی بھول گئے۔ دوسرا عقدہ ابھی حل ہونا باقی تھا کہ آیا یہ سید فضل حسین چشتی ہیں یا کوئی دوسرے خاموش بابے ہیں اور جب ہم نے انٹرنیٹ پر SOLEYMEZ BABA سرچ کیا تو مزار کی تصاویر سامنے آنے کے علاوہ یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ آپ ہی سید فضل حسین چشتی ہیں۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ جس شخصیت کے مزار مبارک کی تلاش میں ۱۹۹۵ء سے مصروف تھا، بالآخر اس شخصیت کے مزار مبارک کا پتہ چل گیا۔ اس ولی کامل کے بارے میں اب تک جو مختصر معلومات میسر ہوئیں ہیں، عوام الناس کے لیے پیش خدمت ہیں۔

سید فضل حسین چشتی المعروف

SOLEYMEZ BABA

حضرت سید فضل حسین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت سرزمینِ ہند کے شہر الٰہ آباد کے گاؤں "احمد پور سرامے" یا "سید سراواں" میں ہوئی۔ آپ عرب الاصل اور امام زین العابدین کے سلسلۂ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ ہندوستان سے پیغمبرِ اسلام کو جیسے ٹھنڈی ہوا آتی تھی، ایسے ہی آپ ﷺ کی اولاد کے لیے بھی سرزمینِ ہند ابتدا سے ہی جائے پناہ تھی۔ ابنِ اثیر نے "الکامل فی التاریخ" میں ۱۵۱ھ کے واقعات درج کیے ہیں کہ اہلِ بیت کے افراد کو جب کہیں جائے پناہ نہیں مل رہی تھی تو ہندوستان کے ہندو راجہ نے ان کی مدد کی اور اپنے ہاں مکمل عزت واحترام سے اُن کو رکھا۔

سید فضل حسین چشتی کی لوحِ مزار سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ۱۹۱۰ء میں وفات کے وقت ان کی عمر ۸۳ برس تھی۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اُن کی ولادت ۱۸۲۷ء میں ہوئی ہوگی۔ آپ نے اپنی ابتدائی دینی تعلیم اپنے گاؤں میں شروع کی، پھر حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کب ہندوستان سے نکلے اور کیوں نکلے؟ تلاشِ بسیار کے باوجود اس سوال کا قطعی جواب تو نہیں مل سکا، لیکن کچھ اشارات ضرور ملتے ہیں جن کی مدد سے ہم اس سوال کا جواب لے سکتے ہیں۔ سید فضل حسین چشتی ۱۸۸۴ء میں قونیہ آئے اور اُس سے پہلے کچھ عرصہ وہ استنبول اور اناطولیہ کے دوسرے شہروں میں مقیم رہے۔ قونیہ میں جب تشریف لائے تو وہ بہترین خطاط اور عالمِ دین تھے۔ اُنھیں عربی، فارسی اور اُردو پر مکمل عبور تھا، اس کا مطلب ہے کہ ہندوستان سے نکلتے وقت اُنھوں نے ان علوم کی تحصیل کی تھی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ کے وقت وہ یقیناً ہندوستان میں تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں فتح کے بعد انگریزوں نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، ان واقعات کے چشم دید گواہ ظہیر دہلوی کی "داستانِ غدر"، مولانا فضل حق خیر آبادی کی "الثورۃ الہندیہ" اور دوسرے مستند مآخذ سے یہ بات بالکل واضح اور مشترک ہے کہ انگریزوں نے فتح کے بعد بلا تفریق ہندوں اور مسلمانوں کا قتل عام کیا اور جس کو بھی جس سمت جگہ ملی وہ اُسی طرف نکل گیا۔ (ڈاکٹر عامر علی صاحب نے اپنا ایم۔ اے کا مقالہ ترکی زبان میں انھی حالات کے تناظر میں لکھا جو حال ہی میں انقرہ سے بنام "ہندوستان میں مغلوں کی آخری جنگ" شائع بھی ہو چکا ہے، اس میں دہلی کے حالات و واقعات اور اُس وقت کے ہندوستان کے معاشرتی حالات پر بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں)۔ اُس وقت کے ہندوستان میں ہندو راجہ بھی حج پر جانے کے خواہش مند مسلمانوں کی مدد کرتے تھے۔ اُن جملہ حالات کو اگر سامنے رکھیں تو گمان یہ ہوتا ہے کہ سید فضل حسین چشتی ۱۸۵۷ء کے واقعات سے دِل برداشتہ ہو کر ۱۸۷۵ء کے بعد کسی سال حج کے لیے حجازِ مقدس گئے ہوں گے اور بہ جائے غلام ہندوستان میں رہنے کے چشتی طریقت کی اشاعت کے لیے قونیہ آگئے ہوں گے۔ کیوں کہ شہر قونیہ حضرت مولانا روم کی وجہ سے ہمیشہ ہندوستان کے مسلمانوں میں معروف رہا ہے۔ (مذکورہ بالا جملہ نقاط مزید تحقیق طلب ہیں)

سید فضل حسین چشتی حجازِ مقدس میں قیام کے بعد سرزمینِ اناطولیہ کی طرف تشریف لے آئے استنبول اور کرامان میں بھی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اسی طرح صوبہ ارض روم کے ایک شہر اکسکی (AKSEKI) میں ۸ ماہ کے قریب قیام پذیر رہے اور اس دوران مفتی اکسکی طاہر آفندی سے اسباق اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ قونیہ کے IPLIKCI مدرسہ میں بھی کچھ وقت قیام پذیر

رہے اور بالآخر ۱۲۶۳ھ میں قونیہ آ کر اُس حویلی میں قیام پذیر ہو گئے، جو عبد الرحمن پاشا اور آپ کے پیروکاروں نے تعمیر کی تھی۔ عبد الرحمن پاشا حضرت سید فضل حسین چشتی کا انتہائی عقیدت مند اور پیروکار تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ نے عبد الرحمن پاشا کو خوشخبری دی تھی کہ وہ استنبول میں رہتے ہوئے درباری گرینڈ وزیر بنیں گے اور جب یہ بشارت درست ثابت ہو گئی تو عبد الرحمن پاشا کی حضرت شیخ سید فضل حسین چشتی سے مزید عقیدت بڑھ گئی۔ حضرت شیخ نے ایک مرتبہ عبد الرحمن پاشا کو یہ بھی کہا تھا کہ وہ گورنر بن کر آئیں گے اور آپ کی یہ کرامت بھی اس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ عبد الرحمن پاشا کو انقرہ کی گورنری پر تعینات کیا گیا۔ عبد الرحمن پاشا حضرت شیخ کی کرامات کا معترف تھا۔ حضرت شیخ سید فضل حسین چشتی کی وسیع و عریض حویلی ایک زاویہ، مسجد، درویشوں کے کمرہ جات، چشمہ اور مقبرہ پر مشتمل تھی۔ لیکن مرورِ زمانہ سے اس حویلی کے تمام نشانات منہدم ہو گئے اور بالآخر اس حویلی کی آخری باقیات کو بھی ختم کر کے اس جگہ کو سڑک میں شامل کر دیا گیا۔

وصال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید فضل حسین چشتی نے تقریباً ۸۳ برس کی عمر میں ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں قونیہ شریف میں ہی وفات پائی اور اپنی بنوائی ہوئی جگہ میں مدفون ہوئے۔

حاضری کی رُوداد

حضرت سید فضل حسین چشتی المعروف سویلیمز بابا کے مزار مبارک کے بارے میں جب مکمل معلومات جمع ہو گئیں تو پھر اپنے ذوق و شوق کے پیشِ نظر حضرت کے مزار مبارک کے لیے ایک خوبصورت سرخ مخملی چادر بنوائی۔ جس پر درج ذیل عبارت کی گولڈن کڑھائی کرائی۔

سید فضل حسین چشتی المعروف (SOYLEMEZ BABA)

میرم، قونیہ

الحمد اللہ ۱۲ دسمبر ۲۰۲۱ء بذریعہ ترکش ائیر لائن اسلام آباد سے استنبول کے لیے روانگی ہوئی۔ تین دن استنبول کی زیارات اور خصوصاً گوینیوک بولو GOYNUK میں روحانی و معنوی فاتح قسطنطنیہ حضرت آق شمس الدین (AK) کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ۱۵ دسمبر ۲۰۲۱ء استنبول سے بذریعہ فاسٹ ٹرین قونیہ شریف میں حضرت مولانا جلال الدین رومی کے ۷۴۸ ویں سالانہ عرس کی تقریبات میں شمولیت اور ۱۷ دسمبر بروز جمعۃ المبارک شب عروسی کی دعائیہ تقریب میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔ یہ سالانہ عرس مبارک اس لحاظ سے ایک انفرادی حیثیت کا حامل ہو گیا ہے کہ تقریباً ۱۵۰ سال کے بعد حضرت مولانا روم کے مزار مبارک کا غلاف / چادر کی تبدیلی ہوئی اور پھر رات کو مولانا کلچرل سینٹر میں رقصِ رومی کی محفل میں شریک ہوئے۔

بروز ہفتہ ۱۸ دسمبر ۲۰۲۱ء

بروز ہفتہ طے شدہ پروگرام کے مطابق عزت مآب جناب ڈاکٹر رجب در قون اور ڈاکٹر عامر علی کی معیت میں درگاہ حضرت سید فضل حسین چشتی روانہ ہوئے، جو علاقہ میرم میں مچھلی مارکیٹ سے متصل ہے ہم چند ہی منٹوں میں مزار مبارک کے سامنے گاڑی سے اُتر گئے تو دیکھا کہ مزار مبارک بند ہے۔ معلوم کیا لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا، قدرے توقف اور مزار مبارک کو بیرونی اطراف سے دیکھنے کے بعد جناب ڈاکٹر رجب در قون صاحب کے کہنے پر تلاوت کلام پاک اور ختم شریف پڑھا۔ڈاکٹر صاحب نے دعا کرائی اورڈاکٹر عامر صاحب نے بیرونی اطراف میں نصب بورڈز کا ترجمہ پڑھا۔ اسی اثناء مجھے مزار مبارک کی کھڑکی کے شیشے سے حضرت کی قبر مبارک نظر آئی تو میں نے اپنی زبان میں ہلکی آواز سے حضرت کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا۔

"یاحضرت! آپ تو صاحبِ کرامت ولی ہیں اور ہم دروازے کے باہر کھڑے دعا کر رہے ہیں، اتنی دُور سے اور اتنے عرصے سے آپ کے مزار مبارک کی تلاش کر رہے ہیں۔ اب آپ رُخ کو چھپا بیٹھے ہیں کر کے مجھے دیوانہ،
میں تو پاکستان سے آپ کے مزار مبارک کے لیے چادر بنوا کر لایا ہوں۔ کیا اب اُس چادر کو باہر ڈال دوں!
حضرت مہربانی فرمائیں اور دروازہ کھلوا دیں تا کہ ہم آپ کی قدم بوسی کے ساتھ چادر کا نذرانہ پیش کر سکیں"۔

حضرت کی زندہ کرامت

حضرت کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرنے کے بعد جملہ احباب احاطۂ مزار سے باہر آئے اور میں نے ڈاکٹر عامر صاحب سے درخواست کی کہ اتمامِ حجت کے لیے ایک دو دُکان داروں سے کچھ معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر عامر صاحب نے ایک دکاندار سے بات کی تو وہ کہنے لگا کہ ہمیں کوئی زیادہ پتہ نہیں، انتظامیہ کبھی کبھار آتی ہے اور صفائی کر کے چلی جاتی ہے۔ پھر اُس نے ایک اور دکان دار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان سے پوچھ لیں، اب ان کے پاس ڈاکٹر رجب در قون گئے اور ہم پیچھے تھے تو ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے ہماری طرف اشارہ کیا کہ جس شخص کے پاس مزار کی چابی ہے، وہ شخص مل گیا ہے اور وہ اب دربار مبارک کھول کر ہمیں زیارت کرائے گا۔ یہ سننا تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو چھلکنا شروع ہو گئے۔ آگے بڑھ کر میں نے اُس شخص کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اُسے نے مجھے گلے لگایا اور ساتھ لے کر مزار مبارک کی طرف روانہ ہوا۔ اس کو کہتے ہیں کہ کرامات الاولیاء حق اور حضرت سید فضل حسین چشتی کی زندہ کرامت ہم نے دس منٹ میں دیکھ لی۔ مقام غور ہے کہ حضرت کی بارگاہ میں ایک استغاثہ پیش کیا تو آپ نے خصوصی توجہ اور نظر کرم فرماتے ہوئے درخواست کو قبول فرمایا اور اپنی قدم بوسی کی اجازت فرمائی۔ دربار شریف کے اندر داخل ہوئے۔ موجودہ صورت میں دو کمرے ہیں اور دونوں کے اوپر مختصر گنبد بنے ہوئے ہیں۔ ابتدائی کمرہ خالی ہے او دوسرے کمرے میں آپ کی قبر مبارک ہے جس کے اوپر سبز رنگ کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ ہم سب حاضرین نے مل کر ڈاکٹر رجب در قون صاحب کی قیادت میں تکبیر و تہلیل کے ساتھ چادر کا نذرانہ پیش کیا۔ لوحِ مزار عثمانی دور حکومت کے دور میں بنی ہوئی لگتی ہے اور اس پر جو عبارت کندہ ہے

وہ پرانی ترکی زبان کی محسوس ہوتی ہے۔ ہم نے ڈاکٹر عامر علی صاحب سے درخواست کی لوحِ مزار کا باآواز بلند ترجمہ کر دیں۔ آپ نے جو ترجمہ کیا وہ درج ذیل ہے۔

لوحِ مزار کا ترجمہ

ہو الباقی بسم اللہ الرحمن الرحیم

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

انا للہ وانا الیہ راجعون

کعبہ فیض عالم کیمیاء سعادت

سید میر فضل حسین ابن مرحوم گوہر علی الشہید چشتی قلندری

اہل ہندوستان قریب البحر، شہر احمد پور

مدفن قونیہ، وصال ماہِ شعبان، شبِ جمعہ ساعت ۲، فی ۲۸ تاریخ سن ۱۳۲۸ من ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۹۱۰ء سال

جس ترک شخص کی وساطت سے ہمیں اس دربار مقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا، وہ اپنی حاضری لگا کر اور صفائی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد مزار مبارک کی چابی ڈاکٹر رجب صاحب کو دے گیا کہ جب تک یہ مہمان بیٹھے ہیں، بیٹھے رہیں۔ بعد میں آپ خود مزار مبارک کو بند کر کے چابی لیتے آنا۔ یہ سب حضرت کا ہی تصرف اور نظر کرم تھی۔ تلاوتِ کلام پاک ختم شریف دعا اور کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد حضرت سے اجازت کے طلب گار ہوئے اور پھر بارگاہِ رب العزت میں شکر بجالاتے ہوئے اور صاحبِ مزار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، مزار مبارک سے باہر آئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور پھر اُس شخص کی دکان پر پہنچ گئے، جنھوں نے پہلے سے ہی ہمارے لیے چائے کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ کھانے پر بھی اصرار کر رہا تھا لیکن ہم سب نے معذرت چاہی اور اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دست بوسی اور اختتامی کلماتِ دعا کے ساتھ اجازت لے کر رُخصت ہوئے۔

قونیہ شریف کی بقیہ زیارت کے بعد ہم نے ڈاکٹر رجب درقون صاحب سے درخواست کی، چلیں کسی اچھے ہوٹل میں بیٹھ کر حضرت سید فضل حسین چشتی کے نام پر لنگر تناول کرتے ہیں لیکن ہمارے شدید اصرار کے باوجود ڈاکٹر صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے کہ یہ کھانا اُن (حضرت سید فضل حسین چشتی) ہی کی طرف سے ہوگا، لیکن میں پیش کروں گا، اس بات پر جس پر ہم خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیں ایک اچھے اور معروف ہوٹل میں لے گئے اور پُرتکلف کھانے سے ہماری تواضع کی۔ ہم نے اسے حضرت شیخ کا لنگر سمجھتے ہوئے تناول کیا اور ڈاکٹر صاحب کی محبتوں اور شفقتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

قارئین وزائرین کرام! آپ کا جب کبھی بھی ترکی جانا ہو تو قونیہ شریف میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری کا شرف حاصل کرنے کے ساتھ اس عظیم ولی کامل، صاحبِ کرامت بزرگ کی بارگاہ میں بھی حاضری کا شرف ضرور حاصل کریں۔ اس مقامِ مقدس کا ترکی زبان میں ایڈریس درج ذیل ہے کس بھی ٹیکسی والے کو بتائیں گے تو وہ آپ کو وہاں لے جائے گا۔

SOLEYMEZ BABA TURBESI

MEREM, BALIK PAZARI KONYA

☆☆☆☆

مکاتیب

پروفیسر محمد اقبال مجددی کے چند شفقت نامے

ڈاکٹر ارشد محمود ناشادؔ☆

پروفیسر محمد اقبال مجددی[۱۹۵۰ء تا ۲۰۲۲ء] بلاشبہ ہمارے عہد کے اُن عالی دماغ اور فیض رساں اصحابِ علم و فضل میں شامل تھے، جن کے علمی انہماک، تحقیقی کارگزاری اور تدریسی ذوق و شوق نے کم از کم دو تین نسلوں کو سیر اب و شاداب کیا۔ وہ صحیح معنوں میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے علمی ورثے کے امین تھے۔ انھوں نے صلے کی تمنا اور ستائش کی پروا کے بغیر زندگی بھر علم و ادب کی خدمت کی اور تدریسی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ تحقیق و تدوین کا وقیع اور مبسوط کام کیا۔ وہ خطی نسخوں اور نادر و کم یاب کتابوں کی تلاش و جستجو میں زندگی بھر سرگرم سفر رہے۔ کئی ممالک کے اسفار کا مقصد بھی اہم مآخذ و منابع کی تلاش رہا۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے حوالے سے اُن کا تحقیقی و تدوینی کام ان کی شناخت بنا اور علمی حلقوں میں قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ زندگی کے آخری برسوں میں پروفیسر محمد اقبال مجددی نے اپنا نادر و نایاب کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطیہ کر دیا۔ اس میں بارہ ہزار سے زائد خطی اور قدیم مطبوعہ کتابیں، روٹو گراف، تصویریں اور نادر دستاویزات شامل ہیں۔ ان کا یہ علمی ورثہ آئندگاں کے لیے مدتوں روشنی فراہم کرتا رہے گا۔

محمد اقبال مجددی ۱۵ / ستمبر ۱۹۵۰ء کو قصور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی نور محمد تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ محمد اقبال مجددی نے ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول، مصری شاہ، لاہور سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ میں داخل ہو گئے۔ گریجویشن اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور سے کی۔ پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے ایم اے تاریخ کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد محکمہ تعلیم پنجاب میں تاریخ کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۲۰۱۰ء میں اسلامیہ کالج، سول لائنز سے بہ طور ایسوسی ایٹ پروفیسر ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔

پروفیسر محمد اقبال مجددی نے تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہیں۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کا سفر ۱۹۷۱ء میں آغاز کیا جو اب تک بغیر کسی انقطاع کے جاری و ساری ہے۔ انھوں نے پاکستان و ہند کی تہذیبی اور تمدنی تاریخ میں سلسلہ نقش بندیہ کے کردار اور اثرات کے حوالے سے جو سرمایہ مرتب اور تالیف کیا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ دو درجن سے زاید باقاعدہ تصانیف و مرتبات کے اُن کے گراں قیمت مقالات کی تعداد بھی ہزار سے متجاوز ہے۔ دانش نامۂ جہانِ اسلام، تہران اور دانش نامۂ زبان و ادب، در شبہ قارہ، تہران کے لیے انھوں نے ۲۷۰ مقالات تحریر کیے ہیں۔ اسی طرح اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جامعۂ پنجاب، لاہور کے لیے انھوں نے مختلف موضوعات پر ۱۶ مقالات قلم بند کیے۔ معارف (اعظم گڑھ)، برہان (دہلی)، مجلہ علومِ اسلامیہ (علی گڑھ)، اورینٹل کالج میگزین (لاہور)، مجلۂ تحقیق (لاہور) اور صحیفہ

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد

(لاہور) جیسے علمی رسائل میں ان کے سیکڑوں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ پروفیسر اقبال مجددی کی چند اہم تصانیف و تالیفات و مرتبات کے نام درجِ ذیل ہیں۔

- ☆ تذکرۂ علمائے ساہووالہ (۱۹۷۱ء)
- ☆ احوال وآثار سید شرافت نوشاہی (۱۹۷۱ء)
- ☆ حدیقۃ الاولیا (۱۹۷۲ء)
- ☆ احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری (۱۹۷۲ء)
- ☆ مجمع التواریخ (۲۰۰۰ء)
- ☆ تذکرۂ علماو مشائخ پاکستان وہند (۲۰۱۳ء)
- ☆ حسنات الحرمین (۱۹۸۱ء)
- ☆ مقاماتِ معصومی: (چار جلدیں) (۲۰۰۴ء)
- ☆ مقاماتِ مظہری (۲۰۰۱ء)
- ☆ رسائل در دفاعِ حضرت مجدد الف ثانی (۲۰۱۱ء، ۲۰۱۲)

راقم الحروف کا پروفیسر محمد اقبال مجددی سے غائبانہ تعارف تو زمانۂ طالب علمی میں استاذِ گرامی حضرت نذر صابریؒ کے وسیلے سے ہو گیا تھا مگر ان سے باقاعدہ تعارف کی نوبت ۲۰۱۲ء میں اُس وقت آئی جب میں نے انھیں اپنی دو کتابیں اطرافِ تحقیق اور تذکرۂ علماڈاک کے ذریعے ارسال کیں، انھوں نے کمال شفقت سے میری طالب علمانہ کاوشوں کو استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور جوابی خط میں ان پر تحسینی کلمات تحریر فرمائے۔ اس کے بعد ان سے خط کتابت کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا جو، ان کی وفات تک جاری رہا۔ فون پر بھی کئی باران سے گفتگو کی سعادت نصیب ہوئی اور ایک بار ۲۰/ اپریل ۲۰۱۹ء کو لاہور میں ان کے دولت خانے واقع سبزہ زار سکیم، ملتان روڈ ان سے ملنے اور ان کی صحبت میں چند گھڑیاں گزارنے کا موقع بھی میسر آیا۔ اس موقعے پر انھوں نے اپنی تازہ تالیف تذکرۂ علمائے حال بھی اپنے دستخطوں کے ساتھ عطا فرمائی۔ ان کا وجود میرے لیے شفقت، محبت، تحسین اور رہنمائی کا ایک جہان تھا۔ اللہ کریم ان کے درجات بلند کرے اور انھیں اعلا علیین میں جگہ دے۔ ذیل میں ان کے آٹھ شفقت نامے پیشِ خدمت ہیں، بعض مقامات پر میں نے حواشی کا التزام کر دیا ہے تا کہ ان کی بہتر تفہیم ہو سکے۔

[۱]

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۲۴/ اپریل ۲۰۱۲ء

بہ جناب محترم ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد صاحب سلمہ'

السلام علیکم، مزاج گرامی!

آں جناب کا التفات نامہ اور دو بیش بہا کتب (۱) اطرافِ تحقیق (۲) اور تذکرۂ علما ملیں، اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائے۔

آپ کے مقالات کا مجموعہ اطراف تحقیق (۱) تو ایک مثالی کام ہے، عرصۂ دراز کے بعد مقالات کا کوئی ایسا ذخیرہ دیکھا جو واقعی علمی تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اُمید ہے آپ اس قسم کا علمی کام جاری رکھیں گے جو ہمارے ملک کے تحقیقی سرمایہ [سرمائے] میں اضافہ اور آبرو کا باعث بنے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

آں جناب کا مرتبہ تذکرہ علما مؤلف محمد حسین آزاد (۲) ایک قابل قدر کام ہے۔ آزاد کے تذکرہ [تذکرے] میں تو کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن جناب کے حواشی نے اس میں زندگی کے آثار پیدا کر دیے۔ ہمارے ملک سے تو ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم (۳) کی وفات کے بعد علما پر کام کے شاید دروازے ہی بند کر دیے گئے تھے لیکن آپ کے ان حواشی کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ نہیں ابھی زندگی کے آثار باقی ہیں۔ صرف ماہر معالج کی جستجو ہے۔ خدا کرے آپ تاحیات اس قسم کی تحقیقی خدمات میں مصروف رہیں۔

آپ نے مجھ ناچیز کی رائے طلب فرمائی ہے۔ میں عاجز بھلا اس قابل کہاں کہ ایسی علمی کاوشوں پر کچھ کہہ سکوں۔ اللہ پاک آپ کو صحت اور عافیت سے ایسے کاموں کے لیے مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جواب اور رسید میں غیر معمولی تاخیر کے لیے شرمسار ہوں۔

مخلص

محمد اقبال

مجددی

[۲]

باسمہٖ سُبحانہ'

لاہور

۱۵/ ستمبر ۲۰۱۳ء

بہ جناب محترم ڈاکٹر ناشاد صاحب سلمہ'

السلام علیکم، مزاج شریف!

آپ کی مرتبہ کتاب گیان نامے (۴) اور گرامی نامہ مؤرخ ۱۰/ ستمبر ۲۰۱۳ء ملا۔ اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔

آپ نے کیا خوب کام کیا ہے، خطوط بہت سے اہلِ علم اصحاب نے لکھے، بعض شائع ہوئے لیکن اکثر مجموعے ضائع ہو گئے۔ میری نو عمری کے زمانہ [زمانے] میں بہت سے ذخیرے برباد ہوئے۔ جب آپ جیسے اصحاب کے مرتبہ مجموعوں کو دیکھتا ہوں تو اس زمانے کا تصور کر کے بے قرار ہو جاتا ہوں کہ ہماری بے حسی سے ایسا کیوں کر ہوا؟

آپ نے آں جہانی ڈاکٹر گیان چند جین(۵) کے خطوط ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (٦) کے نام مرتب کر کے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔ آپ کے حواشی نے تو اسے ایک کتابِ حوالہ بنا دیا ہے، کتنے ہی پاکستانی و ہندوستانی ادیبوں کے حالات آپ نے بڑی جستجو سے جمع کیے ہیں، جو لائقِ تحسین کوشش ہے۔ اس علمی کام پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

آپ نے حاشیہ ۷۵ صفحہ ۱۰۶ پر خورشید احمد یوسفی (۷) کے متعلق لکھا ہے کہ موصوف حافظ محمود شیرانی (۸) کے داماد تھے، میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے، مرحوم اختر شیرانی صاحب (۹) کے داماد تھے، آپ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی (۱۰) سے اس کی تصدیق فرمائیے۔ (۱۱)

مخلص

محمد اقبال مجددی

۱۹۶۔ بی بلاک سبزہ زار سکیم

(ملتان روڈ) لاہور

[۳]

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۳۰/ ستمبر ۲۰۱۳ء

بہ جناب محترم ڈاکٹر ناشاد صاحب سلمہٗ

السلام علیکم، مزاج شریف!

گرامی نامہ مورخہ ۲۵/ ستمبر ۲۰۱۳ء ملا۔ حسب الامر کوائف نامہ پر کر کے بھیج رہا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں کہ اس وقت کوئی تصویر نہیں ہے۔

مخلص

محمد اقبال مجددی

[۴]

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۱۰/دسمبر ۲۰۱۵ء

بہ حضرت محترم ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد سلمہٗ

السلام علیکم، مزاج شریف۔

آں جناب کا عنایت نامہ مؤرخہ ۷/دسمبر ۲۰۱۵ء اور دو کتابیں آفتاب شوالك (۲۱) اور بادۂ ناخوردہ (۳۱) از تصانیف جناب نذر صابری (۴۱) ملیں، اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ میں صرف ایک مرتبہ محترم نذر صابری صاحب سے مل سکا ہوں۔ جب میں کھڈ شریف کا کتب خانہ دیکھنے کے لیے کھڈ گیا تھا، ان کا نورانی چہرہ اور بے مثال تبسم اب تک یاد ہے۔ ان کی شفقت تو اب تک نہیں بھولی۔ (۵۱) آپ نے بہت اچھا کیا جو ان کی دونوں کتابیں زندہ کر دیں۔ میں ان سے استفادہ کروں گا۔

عاجز نے اپنا ذاتی کتب خانہ (بالغ از بارہ ہزار مطبوعات، مخطوطات و مصورات) پنجاب یونیورسٹی لاہور کو بطور تحفہ دے دیا ہے۔ یونیورسٹی نے ایک بڑا ہال میرے نام سے منسوب کر کے بہت سی الماریوں میں ترتیب دے دیا ہے۔ سال بھر میں نے اس کی فہرست لائبریری کے عملہ کو گھر میں بٹھا کر املا کروائی ہے جو اب یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر جاری کر دی گئی ہے۔ دیکھیے:

www.pulibrary.edu.pk

www.mujaddidhary.com

اس کی فہرست یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہو گی، ان شاءاللہ تعالیٰ۔ (۶۱)

مخلص

محمد اقبال مجددی

۱۹۶۔بی بلاک، سبزہ زار،

(ملتان روڈ) لاہور

[۵]

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۲/جون ۲۰۱۶ء

بہ جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد صاحب سلمہٗ

السلام علیکم، مزاج گرامی!

آں جناب کا شعری مجموعہ کتاب نامہ (۱۷) ملا، اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ کتاب اتنی خوبصورت طبع ہوئی ہے کہ یہ کمپیوٹر کا نہیں بلکہ آپ کا ذوق کا کمال ہے۔

یہ پہلا شعری مجموعہ ہے جس کا نام کتاب نامہ ہے، ورنہ عام تأثر تو یہی تھا کہ شاعر حضرات ایسی لااُبالی طبع کے مالک ہوتے ہیں، جنھیں کتاب سے کوئی مناسب ہی نہیں ہوتی اور ان پر بنے بنائے اشعار نازل ہوتے ہیں۔ ہمیں کتاب سے رشتہ توڑے عرصۂ دراز ہو چکا ہے، شاعر خیالی کلابازیاں [قلابازیاں] لگانے میں مصروف ہیں۔ غزلیات کے غیر مہذب ضخیم مجموعے دیکھ دیکھ کر اتنی وحشت ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر ناشاد صاحب کا کتاب نامہ پڑھ کر اس بے چینی میں قدرے کمی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے ہمارے معاشرہ میں کتاب کے کھوئے ہوئے تصور کو عملی طور پر بحال کیا ہے۔

رب کریم ڈاکٹر پروفیسر ارشد محمود ناشاد صاحب کو دائمی طور پر شاد رکھے اور ان کی یہ کاوش عنداللہ قبول ہو، آمین۔

مخلص

محمد اقبال مجددی

[۲]

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۲۸/اگست۲۰۱۸ء

بہ جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد صاحب سلمہٗ

السلام علیکم، مزاج شریف!

آں جناب کا مکتوب (مؤرخ یکم اگست ۲۰۱۸ء) مع رسالہ ثبات (شمارۂ دوم) (۱۸) ملا، اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔

آپ نے تمام مضامین بڑی [بڑے] حسن و خوبی سے ترتیب دیے ہیں، اس زمانہ [زمانے] میں ایسے مقالات کا حصول دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے، آپ کی ہمت و کوشش سے یہ کام ہو رہا ہے۔ ربِ کریم اسے اسی طرح جاری وساری رکھے، آمین۔

پیرانہ سالی اور امراض کے غلبہ کے باعث جواب دینے میں تاخیر ہوئی، معذرت خواہ ہوں۔

مخلص

محمد اقبال مجددی

۱۹۶۔بی بلاک سبزہ زار

(ملتان روڈ)لاہور

[۷]

باسمہٖ سُبحانہٗ

لاہور

۸/مارچ۲۰۲۱ء

بہ جناب محترم ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد صاحب سلمہٗ

السلام علیکم، مزاج شریف!

آں جناب کی مرتبہ ومرسلہ کتاب مکاتیب ہم نفساں (۹۱) بذریعہ ڈاک ملی، اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔جناب محترم نے نذر صابری مرحوم کے خطوط جمع کرکے ایک مثال قائم کردی ہے کہ ہمیں اپنے بزرگوں کے آثار کی حفاظت کیسے کرنی ہے؟ خطوط تو ان گنت لکھے گئے لیکن بہت کم کسی نے انھیں جمع کیا، اہلِ علم کے اتنے مکاتیب ضائع ہوئے کہ بیان کرتے ہوئے قلم لرزتا ہے۔۱۹۷۲ء کو مجھے علمی تحقیقات کی غرض سے ایران وافغانستان کے سفر کے دوران افغانستان کے ایک بڑے ذی علم بزرگ اور دانش ور آقای عبدالحئ حبیبی (۲۰) سے ملنے کا اتفاق ہوا، انھوں نے ایک بڑی دل خراش بات بتائی کہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (۲۱) کے فرزند احمد ربانی (۲۲) میرے پاس آئے تھے اور میرے نام اپنے والد کے خطوط یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ وہ کتابی صورت میں شائع کریں گے لیکن آج تک ایسا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا، اور وہ بیش بہا علمی سرمایہ بھی مولوی صاحب کے کتب خانہ کی طرح ضائع ہوگیا۔

آں جناب نے صابری صاحب کے نام لکھے گئے خطوط پر قیمتی حواشی لکھ کر اُن کی افادیت بڑھا دی ہے، پھر مکتوب نگار حضرات کے حالات بھی شامل کردیے ہیں، جن میں اس عاجز کے خطوط اور حالات بھی تحریر کیے ہیں، پڑھ کر بہت شرمسار ہوا کہ اس بے بضاعت کا ذکر اہلِ علم ودانش کی صف میں کیوں کیا گیا؟ بس کیا کیا جائے، اب تو مجھ جیسے بے حیثیت لوگ ہی باقی رہ گئے ہیں، وہ بھی چند دنوں کے مہمان ہیں۔ربِ کریم ہم پر رحم فرمائے، آمین۔

جواب میں تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

عاجز

محمد اقبال مجددی

۱۹۶۔بی بلاک سبزہ زار
(ملتان روڈ)لاہور

[۸]

باسم سُبحانہ'

لاہور

۱۶/اگست ۲۰۲۱ء

بہ جناب محترم ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد صاحب

السلام علیکم، مزاج شریف!

آں جناب کی مؤلفہ و مرسلہ کتاب آثار تحقیق (۲۳) بذریعہ ڈاک ملی، اس مہربانی کے لیے دلی شکریہ قبول فرمایئے۔
آپ کے مقالات کے اس مجموعہ سے بہت سے تشنہ پہلو پہلی مرتبہ روشن ہوئے۔ آپ کا مقالہ "مخطوطہ اور مخطوطہ نویسی کا فن" بھی دل چسپی سے پڑھا، مجھے ایک بزرگ محقق ڈاکٹر عبد الستار صدیقی (۲۴) کے علمی سفر سے بڑی وابستگی رہی ہے، وہ متروکہ زبانیں سیکھنے کے لیے پروفیسر لستمان (بون یونیورسٹی، جرمنی) [کے پاس] گئے تھے، ان کے یہ استاد مصری کتبات پڑھنے کے لیے مصر بلائے گئے تھے، ان کی تحقیقات فنِ مخطوطہ اور خط کے ارتقا کی تاریخ کے لیے خاصی مفید ہیں۔

خدا بخش لائبریری، پٹنہ (۲۵) سے ایک دلچسپ کتاب "ترقیمے، مہریں اور عرضدیدیں" (۲۶) شائع ہوئی تھی، آپ یہ کتاب ضرور دیکھیے۔

مرسلہ کتاب کی رسید ارسال کرنے میں تاخیر کا سبب امراض کا غلبہ اور حالیہ کرونا وائرس ہے کہ میں ڈاک خانے جا کر لائن میں نہیں لگ سکتا تھا۔

عذر خواہ

محمد اقبال مجددی

۱۹۶۔بی بلاک سبزہ زار

(ملتان روڈ)لاہور

حوالہ جات وحواشی:

(۱) راقم الحروف کے نو تحقیقی مضامین اور پانچ تبصروں کا مجموعہ جو ۲۰۱۲ء میں الفتح پبلی کیشنز، راول پنڈی سے شائع ہوا۔ اس مجموعۂ مضامین کا پیش لفظ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے لکھا۔

(۲) مولانا محمد حسین آزاد کی ایک ناتمام تصنیف جو پہلی بار ان کے پوتے آغا محمد طاہر نے ۱۹۲۲ء میں شائع کی۔ تذکرۂ علما کی کم یابی کے باعث راقم نے مولانا آزاد کی سوسالہ برسی کے موقعے پر اسے تدوین کے لیے منتخب کیا۔ یہ کتاب ۲۰۱۱ء میں الفتح پبلی کیشنز، راول پنڈی نے شائع کی۔ اس کا پیش لفظ معروف محقق اور استاد ڈاکٹر معین الدین عقیل نے تحریر فرمایا۔

(۳) معروف محقق، مؤرخ اور ماہرِ تعلیم۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری ۱۹۲۶ء میں اونالا (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ پاکستان کے قیام کے بعد کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی اور پھر وفاقی اردو کالج میں بہ طور استاد ملازمت کی۔ اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ کئی کتابیں تصنیف اور ترجمہ کیں۔ ۱۹۸۳ء میں کراچی میں انتقال کیا۔

(۴) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام ڈاکٹر گیان چند کے تیس مکاتیب کا مجموعہ، جس کی ترتیب و تہذیب اور حواشی و تعلیقات کا کام راقم الحروف نے انجام دیا۔ گیان نامے اگست ۲۰۱۳ء میں سرمد اکادمی، اٹک سے شائع ہوئی۔

(۵) اردو کے معروف محقق، نقاد، ماہرِ لسانیات اور استاد۔ ڈاکٹر گیان چند ۱۹۲۳ء کو سیوہارہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے اردو کی نثری داستانیں کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی تصانیف و تالیفات کی تعداد دو درجن سے زائد ہے۔ زندگی کے آخری دور میں ایك بهاشا: دو لکهاوٹ، دو ادب نامی ایک متنازع کتاب لکھی۔ ۲۱ / اگست ۲۰۰۷ء کو امریکا کے ایک اولڈ ہوم میں وفات پائی۔

(۶) معروف محقق، ماہرِ اقبالیات اور اردو ادبیات کے استاد۔ ۱۹۴۰ء کو مصریال ضلع اٹک (حال: چکوال) میں پیدا ہوئے۔ جامعہ پنجاب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ گورنمنٹ کے مختلف کالجوں میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ بعد ازاں اورینٹل کالج میں استاد اور صدرِ شعبہ رہے۔ تحقیقی مجلہ بازیافت کے بانی مدیر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ علمی و ادبی اداروں اور حکومتِ پاکستان نے انھیں کئی اعزازات و انعامات سے نوازا۔ آج کل لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔

(۷) معروف محقق اور مصنف۔ خورشید احمد خاں یوسفی ۸ / اگست ۱۹۲۸ء کو گورداس پور (بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۲۰ / فروری ۱۹۹۷ء کو لاہور میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ ان کی معروف تحقیقی کتابوں میں **قائد اعظم کے شب و روز، قدیم شعرائے اُردو** اور **حدائق الحنفیہ** (ترتیب و حواشی) شامل ہیں۔

(۸) اُردو تحقیق کے معلمِ اوّل۔ حافظ محمود شیرانی ۵ / اکتوبر ۱۸۸۰ء کو ٹونک میں پیدا ہوئے۔ تحقیق کی اعلا تعلیم لندن سے حاصل کی۔ واپس آکر اورینٹل کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ **تنقیدِ شعر العجم، پرتھی راج راسا، مجموۂ نغز، خالق باری** اور **پنجاب میں اُردو** ان کی تحقیقی و تدوینی کارنامے ہیں۔ ان کے پوتے ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے دس جلدوں میں ان کے گراں قدر مقالات مرتب کیے، جو مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور سے شائع ہوئے۔ حافظ صاحب نے ۱۶ / فروری ۱۹۴۶ء میں لاہور میں انتقال کیا۔

(۹) حافظ محمود خاں شیرانی کے فرزندِ ارجمند، شاعرِ رومان کے لقب سے معروف ہیں۔ اختر شیرانی کا اصل نام محمد داؤد خاں تھا۔ ۴ / مئی ۱۹۰۵ء کو ٹونک میں پیدا ہوئے۔ والد کی خواہش کے باوجود تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ کئی رسائل جیسے: **خیالستان، ہمایوں،**

سہیلی، انقلاب، رومان اور شاہکار کی ادارت سے وابستہ رہے۔ کئی شعری مجموعے ان کی یادگار ہیں۔ کثرتِ شراب نوشی کے باعث تینتالیس سال کی عمر میں ۹/ ستمبر ۱۹۴۸ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔

(۱۰) معروف محقق، خاکہ نگار اور فارسی ادبیات کے استاد۔ حافظ محمود شیرانی کے پوتے اور اختر شیرانی کے بیٹے ہیں۔ مظہر محمود شیرانی ۹/ ستمبر ۱۹۳۵ء کو ناگور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد مختلف کالجوں میں فارسی ادبیات کی تدریس سے وابستہ رہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں حافظ محمود شیرانی کی حیات وخدمات پر وقیع مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تحقیقی کارناموں کے ساتھ ساتھ خاکوں کے کئی مجموعے بھی ان کی یادگار ہیں۔ ۱۳/ جون ۲۰۲۰ء کو راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

(۱۱) مجھ سے سہو ہوا کہ خورشید احمد خاں یوسفی کو حافظ صاحب کا داماد لکھ دیا، وہ اختر شیرانی کے داماد تھے۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی کی نشان دہی پر باقی نسخوں میں تبدیلی کر لی گئی۔

(۱۲) نذر صابری نے اپنے مرشد گرامی مولانا نواب الدین رام داسی ستکوہی کے ملفوظات اور تبلیغی اسفار کی یادداشتوں کو آفتابِ شوالک کے عنوان سے مرتب کیا۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ تین حصّے قبلہ نذر صابری کی زندگی میں شائع ہوئے، چوتھے حصّے کی اشاعت ان کی وفات کے بعد راقم الحروف کے حصّے میں آئی۔ چوتھا حصہ جس کے راوی خود نذر صابری ہیں، شیخ کی مجالس اور تقاریر کے احوال پر مشتمل ہے۔ آفتابِ شوالک کا چوتھا حصہ جنوری ۲۰۱۴ء میں ادارۂ فروغِ تجلیاتِ صابریہ، اٹک سے شائع ہوا۔

(۱۳) استاذِ محترم نذر صابری کا فارسی کلام راقم نے بادۂ ناخوردہ کے نام سے مرتب کیا۔ اس کا پیش لفظ ڈاکٹر معین نظامی نے تحریر کیا۔ یہ مجموعۂ اشعارِ فارسی پہلی بار ۲۰۱۵ء میں سرمد اکادمی، اٹک کے زیرِ اہتمام منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔

(۱۴) معروف محقق، مخطوطہ شناس، شاعر اور گورنمنٹ کالج اٹک کے سابق کتاب دار۔ اصل نام غلام محمد تھا۔ وطن جالندھر ہے مگر پیدائش ۱۹۲۳ء میں ملتان میں ہوئی۔ تقسیمِ ہند کے بعد لاہور اور پھر اٹک آ گئے اور پھر زندگی بھر اسی شہر کے ہو کر رہے۔ کئی کتابوں کے مرتب اور مؤلف ہیں۔ واماندگیِ شوق کے نام سے نعتیہ مجموعہ شائع ہوا۔ ۱۱/ دسمبر ۲۰۱۳ء کو واصل بحق ہوئے۔

(۱۵) پروفیسر محمد اقبال مجددی نے کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی کے چند اہم خطی نسخوں کی زیارت اور استفادے کے لیے ۱۰/ اگست ۱۹۸۱ء کو نذر صابری کی معیت میں مکھڈ شریف ضلع اٹک کا سفر کیا۔ مزید دیکھیے: مکاتیبِ ہم نفساں: ص ۲۶۶۔

(۱۶) پروفیسر محمد اقبال مجددی کے ذخیرۂ کتب کی فہرست خود انھوں نے فہرستِ مخطوطات ومصورات کے عنوان سے مرتب کی جس کی نظرِ ثانی سید جمیل احمد رضوی نے کی۔ یہ فہرست دانشگاہِ پنجاب، لاہور نے ۲۰۲۰ء میں شائع کی۔

(۱۷) راقم الحروف کی ایک مختصر مثنوی جس میں کتاب کے عروج وزوال کی کہانی کو کتاب کی زبانی پیش کیا گیا ہے۔ مثنوی کا مقصدِ وحید کتاب کلچر کا احیا ہے۔ کتاب نامہ کا پہلا مصور ایڈیشن بہار، ۲۰۱۶ء میں سرمد اکادمی، اٹک کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ بعد ازاں اگست، ۲۰۱۸ء میں اس کا عوامی ایڈیشن شائع ہوا۔ کتاب نامہ کا مختلف قومی اور بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۱۸) ڈاکٹر شاہد صدیقی، وائس چانسلر کے اصرار اور ایما پر علّامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایک شش ماہی تحلیقی جریدے کا آغاز ہوا۔ اس جریدے کی ادارت راقم کے سپرد تھی۔ افسوس ثبات کے صرف دو شمارے شائع ہو سکے۔

(۱۹) مخطوطہ شناس، محقق، کتاب دار اور فارسی کے عالم نذر صابری کے نام مشاہیر کے مکاتیب کا مجموعہ جس کی تدوین و تحشیہ کا کام راقم الحروف نے انجام دیا۔ یہ مجموعۂ مکاتیب دسمبر ۲۰۲۰ء میں سرمد اکادمی، اٹک کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ مکاتیبِ ہم نفساں میں ۳۶ مکتوب نگاروں کے ۱۷۳ مکاتیب شامل ہیں۔

(۲۰) پشتو زبان کے نام ور افغانی محقق اور عالم۔ عبدالحیٔ حبیبی نے پشتو زبان و ادب کی تحقیق میں غیر معمولی کارنامے انجام دیے۔ پشتو کے اولین تذکرے تذکرۃ الاولیا تالیف سلیمان ماکو کے سات صفحات کی دریافت ان کا اہم کارنامہ ہے۔ محمد ہوتک ابن داؤد کے پٹہ خزانہ کا کامل نسخہ بھی ان کے مقدمے کے ساتھ کابل سے شائع ہوا۔ پشتو شعرا کا تذکرہ اور پشتو ادب کی تاریخ بھی علامہ عبدالحیٔ حبیبی کے شعرہ آفاق تحقیقی کارنامے ہیں۔

(۲۱) معروف عالم، استاذ اور محقق۔ ۱۸۸۳ء کو قصور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے عربی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اورینٹل کالج، لاہور میں عربی کے پروفیسر اور پرنسپل رہے۔ سبک دوشی کے بعد اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۴/ مارچ ۱۹۶۳ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ کئی علمی اور تحقیقی کارنامے ان کی یادگار ہیں۔

(۲۲) ڈاکٹر محمد شفیع کے لائق اور صاحبِ علم فرزند۔ انھوں نے پانچ جلدوں میں اپنے عظیم والد کے مقالات مرتب کیے، جو مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور سے شائع ہوئے۔

(۲۳) راقم الحروف کے بارہ تحقیقی مضامین کا مجموعہ۔ آثارِ تحقیق جون ۲۰۲۱ء کو رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی نے شائع کی۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر رؤف پاریکھ اور ڈاکٹر نجیبہ عارف کی آرا مجموعہ مضامین میں شامل ہیں۔

(۲۴) معروف محقق، ماہرِ لسانیات اور عربی زبان کے استاد۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ۲۶/ دسمبر ۱۸۸۵ء کو اترپردیش کے ضلع ہردوئی کے ایک گاؤں سندیلہ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے وظیفہ یاب ہو کر جرمنی چلے گئے، جہاں لسانیات کے نامی گرامی اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ واپس آکر مسلم یونیورسٹی، عثمانیہ یونیورسٹی، ڈھاکا یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی میں عربی، اسلامیات اور فارسی کے شعبوں میں استاد اور سربراہ رہے۔ دو جلدوں میں ان کے گراں قدر مقالات مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ۲۸/ جولائی ۱۹۷۲ء میں الہ آباد میں فوت ہوئے۔

(۲۵) بھارت کا معروف قومی کتب خانہ۔ اس کتب خانے کے بنیاد گزار خان بہادر مولوی خدا بخش خاں ہیں۔ انھوں نے چار ہزار کتابوں سے ۱۸۹۱ء میں اس ذاتی کتب خانے کو عوام کے لیے کھولا۔ بعد ازاں اسے قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ اب اس کتب خانے کا اہتمام و انصرام وزارتِ ثقافت، حکومتِ ہند کے سپرد ہے۔ خدا بخش اورینٹل لائبریری اپنے قیمتی اور نادر عربی، فارسی، اُردو، پنجابی، پشتو اور ترکی مخطوطات کی وجہ سے پورے عالم میں معروف ہے۔ مطبوعہ کتابوں کی تعداد بیس لاکھ سے زائد ہے۔

(۲۶) خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے زیرِ اہتمام "ترقیمے، مہریں، عرض دیدے" کے عنوان سے تین روزہ سیمی نار ۲۸ تا ۳۰ ستمبر ۱۹۹۴ء منعقد ہوا۔ بعد ازاں عابد رضا بیدار نے سیمی نار میں پیش کردہ مقالات کو کتابی صورت میں مرتب کیا۔ ترقیمے، مہریں، عرض دیدے پہلی بار ۱۹۹۸ء میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ کے اہتمام سے شائع ہوئی۔

ماخذ و مصادر:

(۱) کوائف نامہ (محمد اقبال مجددی) دستخطی۔

(۲) ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر (مرتب): مکاتیبِ ہم نفساں؛ اٹک؛ سرمد اکادمی؛ ۲۰۲۰ء۔

(۳) ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر (مرتب): گیان نامے؛ اٹک؛ سرمد اکادمی؛ اگست، ۲۰۱۳ء

(۴) سلیچ، ڈاکٹر محمد منیر احمد:: بُجھتے چلے جاتے ہیں چراغ؛ لاہور؛ قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل؛ اوّل، ۲۰۱۸ء۔

دریچۂ انتقاد

(تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے)

کتاب	:	سماع و موسیقی تصوف میں
مصنف	:	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
ناشر	:	تخلیقات، لاہور
اشاعت	:	۲۰۱۰ء
صفحات	:	۱۴۴
مبصر	:	یاسر اقبال

سماع اور اس کی اثر آفرینی کے حوالے سے مختلف آرا پائی جاتی ہیں اور کئی قسم کے اختلافات سامنے آتے ہیں۔کچھ لوگوں کے ہاں سب سے بڑا اعتراض یہ سامنے آتا ہے کہ دورانِ سماع عوام الناس میں سے یعنی مریدین میں سے ہی کوئی نہ کوئی وجد کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اور میر مجلس یعنی مرشد بڑے اطمینان اور قرار کے ساتھ دورانِ سماع ثابت رہتا ہے۔حالاں کہ میر مجلس جو تصوف و عرفان کے اسرار و رموز سے سب سے زیادہ واقف ہوتا ہے ان کی کیفیت کیوں وجد آمیز نہیں ہوتی اور سامعین یا عوام الناس بہت جلد اس کیفیت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔یہ وہ بنیادی اعتراض ہے جس کے جواب میں مختلف دلائل سماع و تصوف کی کتب و رسائل میں موجود ہیں۔صوفیہ فرماتے ہیں کہ سماع دل میں کسی نئی چیز کو پیدا نہیں کرتا بل کہ جو چیز دل میں پوشیدہ ہوتی ہے اُس کو متحرک کر دیتا ہے، جس کسی کا دِل اللہ کی محبت سے پُر ہے تو سماع میں وجد اُس کے قلب و لذت کو تحرک بخش دیتا ہے۔اگر ہم صوفیہ کے اس بیان کو لے کر چلیں تو بھی معترضینِ سماع یہی نکتہ اُجاگر کرتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے وجد کی کیفیت سے دوچار ہونے والے کا دل باقی سامعین سے زیادہ اللہ کی محبت و معرفت سے پُر ہے۔اس اعتراض کا جواب بہت حد تک حضرت نظام الدین اولیاؒ کے قول سے مل جاتا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ وجد و حال تین قسم کے ہیں: (۱) انوار (۲) احوال (۳) آثار۔یہ تینوں تین عالموں میں نازل ہوتے ہیں جو یہ ہیں: عالم ملک، عالم ملکوت اور عالم جبروت۔سماع کے وقت روح پر انوار عالم ملکوت سے نازل ہوتے ہیں، اُس کے بعد دل پر اثر انداز ہوتے ہیں جنھیں احوال کہا جاتا ہے یہ احوال عالم جبروت سے متعلق ہے اس کے بعد جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے جسے آثار کہتے ہیں جو عالم ملک سے متعلق ہے۔ (سیر الاولیا)

حضرت کے قول کے بعد ہم اس بنیادی اعتراض کا جواب ڈھونڈنے کے لیے ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کی کتاب "سماع و موسیقی تصوف میں" سے ایک اقتباس سے استفادہ کرتے ہیں۔ موصوف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

وجد ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلبِ انسانی پر وارد ہوتا ہے خواہ اس کا نتیجہ فرحت ہو یا حزن۔ مبتدی (مرید) کو وجد میں اضطراب ہوتا ہے اور منتہی (صوفی) کو سکون و ثبات حاصل ہوتا ہے۔ تواجد یہ ہے کہ ذکر و فکر سے وجد کو حاصل کرے یعنی اختیار و تکلف سے وجد کو حاصل کرنا تواجد ہے۔ وجود یہ ہے کہ واجد کا وجود، موجود یعنی حق تعالیٰ کے نور شہود کے غلبہ سے معدوم ہو جائے۔ وجد فانی کی صفت ہے اور وجود باقی کی صفت ہے۔

سماع میں ارباب سماع کے احوال تین قسم کے ہیں: ایک تواجد ہے، جو حرکت سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں تکلف ہوتا ہے۔ وہ صوفیہ جو مرشد ہیں یعنی تصوف میں قائدین کا مرتبہ رکھتے ہیں انھیں تواجد نہیں ہوتا دوسرا وجد ہے جو وجدان و عرفان سے بجلی کی طرح پیدا ہونے والی ایک کیفیت یا حالت ہے، یعنی صوفی پر حال غالب ہو جاتا ہے۔ مبتدی کے لیے وجد میں اضطراب ہے اور منتہی کے لیے سکون و ثبات ہے۔ تیسرا وجود ہے، یہ ایک کیفیت ہے جو واقعہ سے پیدا ہوتی ہے اور یقینِ کامل کے ساتھ دل میں مکین ہو جاتی ہے۔ حضرت رسول پاک ﷺ بھی شہود میں صاحبِ وجود تھے، شبِ معراج کو اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطے کے سخن سنا، صاحبِ سماع بنے، ساکن و ثابت قدم رہے۔ یوں تواجد میں تکلف ہے، وجد میں اضطرار ہے اور وجود میں ثبات و قرار ہے۔ تواجد میں جسم رقص کرتا ہے، وجد میں دل اور وجود میں روح رقص کرتی ہے۔ سماع میں وجد مبتدی کے حال کا کمال ہے۔ لیکن منتہی (صوفیہ) کے حال کا نقصان ہے کیوں کہ وجد سے مراد ہے حالِ شہود کا پالینا اور پالینا گم کر دینے کے بعد ہوتا ہے۔ پس سماع میں واجد در حقیقت فاقد یعنی گم کرنے والا ہوتا ہے اور حالِ شہود کو گم کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت ذوالنونؒ کا قول ہے کہ الوجود بالموجود قائم والوجد بالواجد قائم یعنی صاحبِ وجد (واجد) ابھی تک اپنے وجود سے فانی نہیں ہوا پس وجد اس سے قائم ہے اور صاحبِ وجود اپنے وجود سے کلی طور پر فانی ہو چکا ہے اس لیے موجود (خدا تعالیٰ) کے وجود سے قائم و باقی ہے، جس طرح وجد وجود کا مقدمہ ہے اسی طرح تواجد مقدمۂ وجد ہے۔ تواجد مبتدی کا وصف ہے، وجد اہلِ سلوک (متوسط) کا حال ہے اور وجود اہلِ وصول (صاحبِ وصال) یعنی منتہی کا حال ہے۔ تواجد میں تکلف ہے، وجد میں اضطراب ہے اور وجود میں ثبات و استقامت ہے۔ صاحب تواجد دریا کے دیکھنے والے کی طرح، صاحبِ وجد اس شخص کی طرح ہے جو دریا پر تیر رہا ہو اور صاحبِ وجود اس شخص کی طرح ہے جو دریا میں غرق ہو۔ تصوف میں وجود سے مراد وجودِ حق یا ذاتِ حق بھی ہے۔

مسعود بک بخاراییؒ فرماتے ہیں کہ سماع میں اہتزازی کیفیت کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ہے، جو ظاہر پر نظر رکھتا ہے وہ گویا لہو و لعب میں مصروف ہے اور وہ جو باطن پر نظر رکھتا ہے اس کے لیے وجد ہے اور یہ صفت اصحابِ فتوت کی ہے جن کا قلب زندہ ہے اور نفس مردہ ہے، دل کے زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ سماع میں دوست کا ذکر حال کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور جو دل مردہ ہے اُس میں کسی قسم کی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ مرید کی حقیقت سماع میں ظاہر ہوتی ہے، اگر سماع میں وہ

محبوب کے ذکر پر وجد میں آجائے تو وہ صحبت کے لائق ہے کہ اُس کا دل زندہ ہے اور روشن ہے، اگر اُس میں سماع سے کسی قسم کی جنبش پیدا نہ ہو تو جان لو کہ اُس کا دل مردہ ہے اور اُس کی روح افسردہ ہے۔ اسی حوالے سے قرآن میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ "یعنی جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو اُن کے دل مضطرب ہو جاتے ہیں"۔

پس سماع میں وجد کی کیفیت اہلِ کمال کی صفت ہے۔ البتہ وجد کی کچھ قسمیں ہیں، وہ اہتزاز جو بدن میں پیدا ہوتا ہے اُسے تواجد کہتے ہیں اور وہ اہتزاز جو دل میں رونما ہوتا ہے اُسے وجد کہتے ہیں اور وہ اہتزاز جو روح میں پیدا ہوتا ہے وہ محبوب کے وجود سے ہوتا ہے کہ سماع سے یہی مطلوب ہے (اور یہی وجود ہے) پس جس میں تواجد نہیں اُس میں وجد بھی نہیں ہوگا اور جس میں وجد نہیں ہوگا اُس میں وجود نہیں ہوگا اور وہ محبوب کو پانے سے محروم رہ جائے گا۔

آں کو بہ سماع در تواجد آید　　　وجدش ز خدا روئے بہ دل بہ نُماید
پس وجد سوئے وجود محبوب کشد　　　آں جا چو رَسد، نہ مرد با خو باید

اس کتاب کا مطالعہ تصوف میں سماع کے حوالے سے قاری کے فکر و نظر کو وسعت عطا کرتا ہے اور "تصوف میں سماع" جیسے ادق موضوع کو کئی حوالوں سے نئے زاویے بخشتا ہے۔ سماع کا سامع پر اثر انداز ہونا اور اُس کا وجد اور اُس سے متعلقہ کیفیات میں اُترنا ایک لازوال تجربہ ہے۔ صاحبِ کتاب نے اپنے مشاہدے کے کئی زاویوں کو خوبصورتی سے تصویر کا رُوپ دیا ہے۔ اب قاری کے لیے اس تصویری البم میں سے اپنی پسند کی کیفیت کا احساس بہ ذات خود ایک نیا تجربہ ہے۔ جو شاید اُس کے لیے عرفانِ ذات کا ایک ایسا پہلو اُس پر وا کرتا چلا جائے جس سے اب تک وہ خود بے خبر رہا۔

☆☆☆